Rs. 100/-

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا

ماہنامہ

مُنادی

نئی دہلی

خصوصی نمبر

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

Scanned with CamScanner

مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سے
ایمان اور امن کی ندا دینے والا
اور اُن کے جانشین
امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی کی یادگار

ماہنامہ منادی نئی دہلی

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ ۸۳ ویں جلد (جنوری ۲۰۰۹ء) کا پہلا شمارہ ہے

مدیر
خواجہ حسن ثانی نظامی
معاون مدیر
خواجہ سید نوید پاشا نظامی
خواجہ سید محمد نظامی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط و کتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ
خواجہ حسن ثانی نظامی
ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاء
نئی دہلی ۱۳-۱۱

اس خاص شمارے کا علیحدہ ہدیہ ایک سو روپے
مستقل خریداروں کا ہدیہ سالانہ قیمت میں شامل

سالانہ قیمت
ہندوستان میں
پچاس روپے
غیر ممالک سے
دس ڈالر
فی پرچہ
پانچ روپے

فہرست

(باقی فہرست اگلے صفحہ پر)

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے، ایم آر پرنٹرس، گلی گڑھیا کوچہ چیلان، دہلی ۲ میں چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۳ سے شائع کیا

(بقیہ فہرست)

شروع بنام اللہ قلم کارگل نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال
آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

وہ عقل کہاں جو تیرے کمال تک پہنچے۔ وہ روح کہاں جس کی رسائی تیرے جلال تک ہو۔ یہ مانا کہ تو نے حسن پر سے نقاب اٹھادی ہے (مگر) وہ آنکھ کہاں جو تیرے جمال کو دیکھ سکے۔

(فوائد الفواد، جلد چہارم مجلس بست و دویم)

زاں روی کہ بندۂ تو خوانند مرا بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا[1]

چونکہ مجھے تجھ جیسے آقا کا غلام کہا جاتا ہے (اس لیے لوگ) مجھے آنکھوں کی پتلیوں پر بٹھاتے ہیں۔ آپ کے لطف عام نے عنایت فرمائی ہے، ورنہ میری کیا ہستی؟ اور مخلوق مجھے کیا جانتی؟ (اور کیا گردانتی)۔

---

[1] یہ رباعی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے پیر و مرشد حضرت بابا صاحبؒ کو ایک عریضے میں لکھی تھی، جب حضرت خواجہ نظامؒ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اس کا ذکر فرمایا اور کہا کہ میں نے اسے یاد کرلیا ہے!

(فوائد الفواد مجلس سی و ہشتم)

در مدح بابا فرید گنج شکرؒ

(از یادگار عالی جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

اے فرید الدین بابا، اے میرے گنج شکرؒ
عالمِ الحاد تیرے کوف سے زیروزبر
تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
زہد کا اخلاص کا تو تسلیم کا ایماں کا نور
راہ حق سے اور حق سے شناسائی تری
اس لیے ہوتی ہے ہر دل میں پذیرائی تری
ٹوٹ سکتا ہے نظامِ انجم و شمس وقمر
اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بر
لیکن اے گنج شکرؒ تو زندہ و پائندہ ہے
کل بھی تابندہ رہے گا آج بھی تابندہ ہے

حضرت بابا فریدؒ نمبر دوم

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے خواجگانؒ کے صدقے میں دوبارہ حضرت بابا فریدؒ نمبر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سچ پوچھیے تو ہم لوگ جوان کے سلسلے میں مرید ہیں یا ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں، اور ''فرزندان جانی'' اور ''فرزندان نانی''[1] ہونے کے دعوے دار ہیں، سب کے سب پڑے سوتے تھے۔ اور اپنے پیر اور اپنے جد کے نام اور کام سے جو فائدے ہمیں اٹھانے چاہیے تھے وہ فائدے کماحقہ ہم نے نہیں اٹھائے تھے۔ اللہ بھلا کرے زندہ دلانِ پنجاب کا کہ انھوں نے ''بابا فرید میموریل سوسائٹی'' قائم کی، اور ہم کو جگایا اور یاد دلایا کہ حضرت بابا صاحبؒ کے پیغام سے غفلت برت کر ہم اپنا بھی نقصان کر رہے ہیں اور بھولی بھٹکی دنیا کے لیے بھی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

''بابا فرید میموریل سوسائٹی'' کا حال منادی میں وقتاً فوقتاً چھپتا رہا ہے۔ اور اس شمارے میں بھی کسی جگہ اس کا تعارف کرایا گیا ہے۔ میری رسائی اس سوسائٹی تک محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی فریدی مرحوم وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذریعے ہوئی تھی۔ خلیق صاحب ایسے نظامی اور ایسے فریدی تھے جن کو موجودہ دور میں واقعی بابا صاحب کا ''فرزند جانی'' اور ''فرزند ثانی'' کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے بلند فرمائے۔ اس نمبر کی اشاعت کے ذریعے اگر کوئی ادنیٰ سی خدمت ہوئی ہے تو اس کا کریڈٹ سب سے پہلے انھی کو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک دوسرے فریدی اور اپنے خاص کرم فرما جناب نثار احمد صاحب مرحوم فاروقی کو فراموش نہیں کرسکتا۔ انھوں نے نہ صرف یہ نمبر شائع کرنے کی تحریک فرمائی بلکہ اس کی تیاری میں اس طرح ہاتھ بٹایا کہ حضرت بابا فرید نمبر کو دراصل تمام تر انہی کی محنت کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ملفوظات اور مآخذ پر ان کے جو مضامین اس نمبر میں شامل ہیں، انھوں نے تحقیق اور تنقید کا نیا راستہ کھولا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ بات اور آگے بڑھے گی اور ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ اہل علم اس طرف توجہ کریں گے، اور کھرے کھوٹے کو علیحدہ کرکے بابا صاحب اور خواجگان کے پیغام کو اصلی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے گا۔

میرا بہت جی چاہتا تھا کہ اس نمبر کو پاکستانی اہل قلم کے مضامین بھی زینت بخشیں، خاص کر برادر روحانی میاں عابد حسین نظامی ایڈیٹر ضیائے حرم اور اپنے خاندان کے خواجہ مسلم نظامی صاحب سے میں مضمون لکھوانا چاہتا تھا، جو آج کل پاک پٹن شریف میں مقیم ہیں اور جنھوں نے بابا صاحبؒ کی ضخیم سوانح حیات شائع کی ہے، مگر راستے اور خط و کتابت بند ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوسکا۔ اس نمبر کی تیاری کے وقت اندازہ ہوا کہ ایسے ایسے درجنوں نمبر بھی بابا صاحب کے پیغام کی اشاعت کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔ اس وقت بھی بہت سے مضامین میرے پاس ایسے ہیں جن کو کاغذ کی قلت کی وجہ سے اس نمبر میں درج

[1] مشہور واقعہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں ان کے روحانی فرزند حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور سگے بیٹے حضرت نظام الدینؒ دونوں حاضر تھے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا تم دونوں میرے فرزند ہو۔ سگے بیٹے سے کہا تو ''فرزند نانی'' ہے (نان — روٹی کی طرف اشارہ) اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے فرمایا کہ ''تو فرزند جانی'' ہے!

نہیں کیا جاسکا۔ انشاء اللہ العزیز جب اس نمبر کے تتمے چھپیں گے تو اس وقت پاکستانی اہل قلم سے بھی راہ رسم قائم ہو چکی ہو گی اور ان کے مضامین بھی ہمیں میسر آ سکیں گے۔

حضرت بابا صاحبؒ کا پنجابی کلام ہمیں سکھ گورو صاحبان کی عنایت سے میسر آیا ہے۔ ضرورت تھی کہ گورو گرنتھ صاحب اور گورو صاحبان پر بھی متعدد مضامین اس نمبر میں شائع کیے جاتے۔ لیکن کاغذ کی کمی کے باعث یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ صرف حضرت گورو نانک صاحب پر کچھ مضامین درج کیے جا رہے ہیں۔

اہل قلم کے ساتھ اگر ''اہل درم'' کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یہ بھی بڑی ناسپاسی ہوگی۔ جناب عبداللطیف جلال صاحب، جناب عبدالمجید الف خاں نظامی، جناب فخر اللہ خاں نظامی، راحت خاں نظامی، جیلانی نظامی، شریف اللہ خان نظامی، نور اللہ خاں نظامی اور دوسرے بہت سے کرم فرما ہیں، برادران ادونی، بلاری، حیدرآباد، بمبئی جن کی مالی امداد نے اب تک ہر آڑے وقت میں منادی کا ساتھ دیا ہے۔ اور موجودہ ہوش ربا گرانی اور کاغذ کی کمیابی کے زمانے میں تو اگر یہ لوگ آگے نہ بڑھتے تو شاید اس نمبر کی اشاعت ممکن ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطاء فرمائے۔

ناظرین دعا فرمائیں کہ منادی کا ''حضرت بابا فرید نمبر'' پہلے نمبر کے ساتھ ''آخری نمبر'' ثابت نہ ہو۔ بلکہ ایسے خاص شمارے شائع کرنے کی توفیق مسلسل میسر آتی رہے اور اپنے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے قدموں میں بیٹھ کر فریدی فیضان ہمیں ہر لمحے ملتا رہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی

حجرۂ قدیم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ

بستی حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی 110013

تتمہ

پہلا بابا فرید نمبر ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا تھا اور اس نے ایک تاریخی حیثیت اختیار کی تھی۔ موجودہ شمارہ اس نمبر کا دوسرا تتمہ ہے۔ الحمد للہ یہ آخری تتمہ نہیں ہے۔ اس عرصے میں حضرت بابا صاحبؒ کے بارے میں ناچیز کے پاس اتنا مواد جمع ہو چکا ہے کہ اُس کی مدد سے کئی اور تتمے بطور بابا فرید نمبر تیار ہو سکیں گے۔ اگر اللہ کو منظور اور زندگی اور صحت نے ساتھ دیا تو میں اس سارے میٹر کو زیور طبع سے انشاء اللہ آراستہ کر کے ناظرین منادی کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ اس وقت بھی بحمد اللہ یہ ناظرین منادی کی تیسری پیڑھی ہے جس کے سامنے یہ ادنیٰ سی خدمت پیش کی جا رہی ہے۔

ننگ اسلاف

خواجہ حسن ثانی نظامی

ایڈیٹر منادی

فریدی مشن اور جدید تبلیغی تقاضے

خواجہ حسن ثانی نظامی

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء ہر اس شخص کو مرید کرلیا کرتے جو مرید ہونے کا خواہشمند ہوتا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی علیہ الرحمہ کے دل میں خطرہ گزرا کہ حضرتؒ سے پہلے کے بزرگ تو ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر حضرت کی اس روش کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے۔

سلطان المشائخ نے نور باطن سے اس خطرے کو محسوس فرمالیا اور اپنی اس فیاضی کی دو وجہیں بتائیں۔ ایک یہ کہ ان کے پیرومرشد حضرت بابا فریدؒ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی پرسش ہوئی تو وہ اس وقت تک جنت میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے جب تک سلطان المشائخ کے مریدوں کو ساتھ نہ لے لیں۔ دوسرے یہ کہ ہر زمانے کا تقاضا جدا ہوتا ہے اور نئے تقاضوں کے موافق ہی شیخ طریقت اپنی روش مقرر کرتا ہے۔ پرانے بزرگ جب تک کسی کو دنیا سے بالکل قطع تعلق کیے ہوئے نہیں دیکھتے تھے، مرید نہیں کرتے تھے۔ سلطان المشائخ نے اس احتیاط کو اس لیے خیر باد فرمایا کہ وہ معتبر لوگوں سے سنتے تھے کہ ان کا مرید ہونے کے بعد لوگ گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور فرائض ادا کرتے ہیں۔ اگر حضرت مرید کرنے میں فیاض نہ برتتے تو مخلوق جنت سے بھی محروم رہ جاتی اور گناہوں سے بچنے اور روزے نماز کی نیکی بھی اس کو نہ ملتی۔

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت جس کو امیر خورد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ضیاء الدین برنی نور اللہ مرقدہ کی کتاب حسرت نامے سے سیر الاولیاء[۱] میں نقل کیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کو تصوف کے مبلغین کے لیے ایک رہنما اصول بن گئی ہے۔

اور اس کو سامنے رکھے بغیر نہ تو خانقاہی نظام کا صحت کے ساتھ جائزہ لینا ممکن ہوگا، نہ آئندہ کا لائحہ عمل صحیح بنیاد پر بنایا جاسکے گا۔

حضرت سلطان المشائخ مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے ہیں تو ہجرت نبوی کو کم و بیش چھ سو برس ہو چکے تھے اور زمانہ سست روی کے باوجود اتنا بدل چکا تھا کہ شرائط بیعت میں رخصت سے کام لیا جانے لگا۔ پھر آج کل کا کیا کہنا۔ خود سلطان المشائخ کو دنیا سے پردہ فرمائے ساڑھے چھ سو سال کی مدت ہوتی ہے آدمی رینگنے کے بجائے دوڑنے اور اُڑنے لگا ہے۔ زمین آسمان گویا سب نئے ہیں۔ لہٰذا تبدیلی جب اس وقت ناگزیر تھی تو اس وقت تو اس کے بغیر ایک قدم بھی اٹھانا ممکن نہیں ہے۔

موجودہ مشینی دور اور سہل پسندی کی فضا میں یہ توقع کرنا درست نہ ہوگا کہ للٰہیت کا رنگ وہی رہے جو چھ سات صدی پہلے تھا۔ مجاہدے اسی طریقے سے کیے جائیں جیسے شیخ شیوخ عالم حضرت بابا صاحبؒ نے کیے تھے۔ خانقاہی نظام کے تانے بانے اسی ڈیزائن پر قائم رہیں جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سامنے تھا۔

خانقاہ میں روٹی بیٹے کے طلبگار پہلے بھی بہت آتے تھے لیکن مستثنیات کو چھوڑ دیجیے تو معلوم ہوگا کہ اب صرف وہی آتے ہیں۔ محنت اور مشقت کے لیے اب کوئی تیار نہیں ہے۔ آج کل لوگ وظیفہ اور نمازیں کم پوچھتے ہیں، تعویذ کی طلبگاری زیادہ ہے۔ ہر چیز ریڈی میڈ چاہیے چھ سو برس کی مدت نے کوئی شہر کوئی قصبہ، کوئی گاؤں ایسا نہیں چھوڑا جہاں کسی بزرگ ہستی کا مزار نہ ہو، وہ بزرگ جنھوں نے مجاہدات اور محنت مشقت سے روحانیت کے

اعلیٰ مدارج حاصل کیے تھے اور جن کی قبریں تک فیض کا دریا بنی ہوئی ہیں اور جب فیض یوں ہی مل جاتا ہو تو کسی خانقاہ نشین کو کیا پڑی ہے کہ مجاہدات کرتا پھرے یا کسی مرید کو کیا ضرورت ہے کہ راشن کی لائن میں لگنے کے بجائے پیر صاحب کی جوتیاں سیدھی کرے۔ پہلے خانقاہ کے لیے یہ شرط نہیں تھی کہ وہاں کسی بزرگ کا مزار بھی ہو۔ اب اکثر و بیشتر خانقاہیں وہاں ہیں جہاں کسی بزرگ کی آرام گاہ ہے۔ اگلے وقتوں میں خانقاہ کا سجادہ نشیں وہی ہوتا تھا جس کی گرہ میں کچھ روحانی مال اپنی محنت کا ہو۔ اب گستاخی معاف، بزرگوں کی کمائی سب کو کافی ہو جاتی ہے۔

میری گزارش کا منشا طعن و تشنیع نہیں ہے۔ صرف موجودہ صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کردوں کہ میں اس صورت حال سے مایوس قطعاً نہیں ہوں۔ ہماری خانقاہیں اور دوسرے الفاظ میں درگاہیں اب بھی بڑا کام کر رہی ہیں۔ وہ از کار رفتہ اور Out of Date ہر گز نہیں ہوئی ہیں۔ جی ہاں، اور جیسی موجودہ زمانے کی روح ہے، ویسے ہی فرشتے اس کے لیے مہیا ہوئے ہیں۔

سات سو برس پہلے کبیرہ گناہوں سے بچنا۔ روزے نماز کا پابند ہونا ایسی نیکی تھی جس کی خاطر اللہ کا ہاتھ بننے والے ہاتھ دست گیری کو آگے بڑھتے تھے۔ آج نوبت بہ اینجا رسید کہ کوئی بھولا بھٹکا خانقاہ اور درگاہ کا رخ کر کے اگر خدا کے وجود کا اقراری ہو جائے، دکھ درد میں اس کو کارساز سمجھنے لگے۔ حرام حلال کی تمیز کرنے لگے، انسانیت کی کچھ ہمدردی اس میں جنم لے لے۔ دل میں تھوڑا سا سوز و گداز پیدا ہو جائے تو اس کو غنیمت نہیں بہت کچھ جاننا چاہیے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی بزرگی اظہر من الشمس ہے۔ انھوں نے بابا صاحبؒ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا یہ شہرت صحیح ہے کہ آپ کے پاس ابدال آیا کرتے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا تم بھی تو ابدال ہو۔[۱]

جو آدمی اپنے حال پر مطمئن ہو جائے۔ اس کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ خوب سے خوب تر کی جستجو مسلسل کامیابی کی پہلی شرط ہے۔ اس لیے اپنی خانقاہوں کو موجودہ حالت میں چھوڑ دینا تو درست نہ ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم اپنے Potential سے غافل ہو جائیں۔ اپنی خوبیوں اور اپنی کامیابیوں سے بے خبر رہیں۔ قطب اور غوث، اور ابدال کے الفاظ کو جو معنی بھی پہنائے جاتے رہے ہوں اور چلانے والے روحانی نظام کو جس طرح بھی چلا رہے ہوں، نئے اور پرانے آدمی کے مرتبے اور مقام کا تعین اس طرح نہ کیجیے کہ دو پلڑوں میں رکھ کر انہیں تولنے لگیں۔ سونے اور لوہے کے زمانے کا خیال کیجیے۔ یہ دیکھیے کہ موجودہ حالات میں نیا آدمی روحانی نظام کو کس طرح سنبھالے ہوئے ہے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا دور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور نہیں تھا۔ نہ ان کے فوراً بعد آنے والے مردان خدا کا دور تھا۔ وہ ابدال کی اصطلاح میں پرانے معانی تلاش کر رہے تھے۔ بابا صاحب نے ان کو نئے معانی بتائے۔ ان کو ان کی ذمے داری سے آگاہ کر دیا۔ بتا دیا کہ تمہارا کام کرنے کے لیے کوئی اور نہیں آئے گا۔ اور یہ سند بھی عطا فرما دی کہ تم اپنا فرض جس طرح ادا کر رہے ہو، وہ اطمینان بخش ہے۔

اب نئے آدمی کے لیے ہمارے آپ کے لیے دیکھنے کی بات صرف یہ رہ گئی ہے کہ ہمارا کام، ہماری ذمہ داری ہے کیا۔ بزرگوں نے کیا چیز ہم کو تفویض کی تھی اور اس کام اور ذمے داری سے ہم کس طرح عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بابا صاحب کا کوئی جانشین کیا آج اپنے بھائی، اپنے مددگار، اپنے مشنری سے یہ کہنے کا حقدار ہے کہ تم بھی تو ابدال ہو؟

حضرت بابا صاحبؒ نے جب سلطان المشائخ حضرت

خواجہ نظام الدین اولیاء کو خلافت اور جانشینی سے سرفراز فرمایا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ تم میں علم، عشق اور عقل تینوں چیزیں موجود ہیں، اس لیے تم اس بات کے اہل ہو کہ تمہیں خلیفہ بنایا جائے۔

یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ مثالیں دے کر حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے علم عشق اور عقل کے کرشمے دکھائے جائیں۔ چلتے چلتے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں۔ میری ناقص فہم میں انہوں نے سب سے بڑی تبلیغی ضرورت یہ خیال فرمائی تھی کہ نام نہاد اسلامی حکومتوں نے اسلام سے جو ایک طرح کی دوری نئے لوگوں میں پیدا کر دی تھی اور جس دوری کی بنا پر اسلامی اصول گدڑی کے لعل ہو کر رہ گئے تھے، اس فاصلے کو کم کیا جائے، کیونکہ قریب آنا شرط تھا۔ لعل خود بخود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے روایت کے پابند ماحول میں پنجابی زبان کو اپنایا۔ پنجابی زبان کی سرپرستی میں حضرت کے علم، عشق اور عقل تینوں کے جلوے نظر آتے ہیں۔ صرف اسی ایک چیز نے بے شمار بندگان خدا کی ٹوٹی ہوئی ڈور خدا کی ڈور سے جوڑ دی۔

اسی سنت کی روشنی میں اپنا جائزہ لیجیے تو پتہ چلے گا کہ بازار عشق میں آج کا خانقاہ نشین لاکھ بے مایہ سہی، اس کی بے علمی اور کم علمی کی ساری کہانیاں درست، لیکن بے عقل اس کو آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ داد دیجیے کہ اس نے خانقاہوں اور درگاہوں کے ہجوم کو گھٹنے نہیں دیا ہے۔ وہ ہر آنے والے کے لیے آغوش کھولے کھڑا ہے۔ پذیرائی کے لیے تیار ہے۔ روحانیت کے پیاسوں کے لیے اگر اس کے اپنے پاس پانی نہیں ہے، اگر وہ انہیں خود نہیں کھلا سکتا تو یہ بات بھی درست ہے کہ اس نے باپ دادا کے چھوڑے ہوئے اثاثہ پر قفل نہیں لگایا۔ مولویوں کی طرح اپنی میراث کو صندوق میں بند کر کے نہیں رکھا۔ لوگ اس سے بھاگتے نہیں، قریب آتے ہیں۔ کیونکہ اس نے بزرگوں کے دسترخوان پر عام دعوت دے رکھی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ علم اگر صرف کتابی علم کو کہتے ہیں تو لاریب آج کا خانقاہ نشین بہت کم علم ہے۔ اور اسے اپنی اس کم علمی کی طرف دھیان دینا چاہیے اور حصول علم میں محنت اس کے لیے لازم ہے۔ لیکن اس کے معلموں کو آفرین کہیے کہ انھوں نے اسے بہت سی کتابوں کا کتاب خواں نہیں، صاحب کتاب بنا دیا ہے اور تصوف کا مقصد بھی دراصل یہی تھا کہ دنیا کا ڈرامہ اور ایکٹروں کے پارٹ صرف کتاب میں بند نہ رہیں، کوئی ان کو اسٹیج کرنے والا بھی ہو۔ منبر کا وعظ عملی شکل بھی اختیار کرے۔ اسی آستانہ فیض کا شانہ کے خدام صاحبان میں سے ایک بزرگ کا قصہ میں نے کسی کے سفرنامہ حج میں پڑھا کہ چند برس قبل جب کہ حج گرمی کے موسم میں آتا تھا، عرفات کے میدان میں سخت گرمی تھی اور پانی کی ہر طرف بے تحاشا مانگ۔ ہر حاجی اس دن کو غنیمت جان کر ورد وظیفے میں لگا ہوا تھا اور یہ بزرگوار صبح سے شام تک بس اسطرح دیکھے گئے کہ پانی خریدتے ہیں، برف خریدتے ہیں اور پیاسوں کو پلاتے پھرتے ہیں۔ سفرنامہ لکھنے والے نے لکھا تھا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنا سارا فارن ایکس چینج اس روز پانی میں خرچ کر دیا ہوگا۔

یہ کرامت کوئی مکتب پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ تو فیضان نظر کی دین ہے۔ وہ فیضان جو گوشت پوست، روح سب کو نوازے ہوئے ہے۔ فضل ربیؒ ہے۔ خانقاہ نشینوں کی قسمت ہے
اور ہر طرف امید کے چراغ اس سے روشن ہیں۔

تاریخ ایک عجیب انداز سے آج کل اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جوالقیوں اور ملنگوں کا طبقہ جو سیکڑوں برس پہلے پیدا ہوا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے وجود میں آنے کے دوسرے اسباب جو کچھ بھی رہے ہوں، ایک سبب دولت واقتدار کی وہی فراوانی، رائج الوقت معیار سے آرام وآسائش کی وہی بہتات، روحانیت

کی وہی پیاس اور مادیت کا وہی عروج تھا جس نے آج مغرب میں ہپّی ازم کو جنم دیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے امیر غریب، کامیاب ناکام ہر قسم کے انسانوں کے سامنے ایک متوازن زندگی کا نمونہ پیش کیا تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ حقیقی آسودگی نہ دولت واقتدار میں ہے، نہ دولت واقتدار سے محرومی میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کا چمتکار، ان کا یہ عجیب وغریب نسخہ کہ ہوتو آدمی آسودہ رہے اور نہ ہوتو آدمی آسودہ رہے، کیا ہمارے پاس بھی ہے؟ کیا ہم اس نسخے سے بیمار دنیا کا علاج کرسکنے کے قابل ہیں؟ درگاہ میں بلوا کر روٹی بیٹا تو آپ سب کو دلوا سکتے ہیں۔ جزاک اللہ، سبحان اللہ۔ لیکن زندگی کے لیے صرف یہی تو کافی نہیں ہے۔ ہپّی بننے والے سب وہی ہیں جن کی تھیلی روٹیوں سے اور گود بٹیوں سے پھٹی پڑتی ہے۔ ہم کو روٹی اور بیٹے والے کے لیے بھی آسودگی مہیا کرنی ہے۔ مکمل آسودگی، ہر لمحے کی رہنمائی۔ دونوں جہان کی کامیابی اور اس کامیابی کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے صاحبزادے کی طرح ہم حضرت خواجہ قطب صاحب کا غلاف تھام کر ارادت کا دم بھرنے لگیں۔ بابا صاحب نے اس کو مستند نہیں سمجھا۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب صاحب ہمارے مخدوم ہیں۔ پیر ومرشد ہیں۔ لیکن ہاتھ تو کسی سانس لیتے آدمی کا تھامنا چاہیے اور سانس جس طرح آدمی چھ سات سو برس پہلے لیتا تھا، اسی طرح آج اس بدلے ہوئے زمانے میں بھی لیتا ہے۔ اس لیے مبلغ کے لیے جو شرائط حضرت محبوب الٰہی نے چھ صدی پہلے مقرر فرمائی تھیں، ان کے بغیر آج بھی کام نہیں چلے گا۔

اول یہ کہ وہ مراد اور مطلوب ہو، تاکہ مریدوں کی تربیت کرنے پر قدرت رکھے۔

دوم یہ کہ راستے کا واقف ہو، تاکہ مریدوں کو بھی اس رستے لگا سکے۔

سوم یہ کہ آداب جانتا ہو، تاکہ مریدوں کو بھی مودب بنا سکے۔

چہارم یہ کہ بخشش وکرم والا ہو اور دکھاوے سے دور ہو۔

پنجم یہ کہ مریدوں کے مال کا لالچ نہ رکھتا ہو۔

ششم یہ کہ مرید کو نرمی سے اور بے جھجک سمجھائے، سختی اور بے رخی سے نہیں۔

ہفتم یہ کہ جہاں تک ہوسکے، نصیحت زبان سے نہ کرے۔ اشاروں میں بتائے۔

ہشتم یہ کہ جس چیز پر مامور ہے، اس کا مرید کو واضح حکم دے۔

نہم یہ کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، اس سے خود بھی رکے اور مرید کو بھی روکے۔

دہم یہ کہ جب مرید کو اللہ تعالیٰ کے لیے قبول کیا گیا ہے تو اس کو رد نہ کرے۔

نئی دنیا ایسے ہی فریدی مشنری آج کل ہر طرف سے مانگ رہی ہے۔

(سمینار منعقدہ اجمیر شریف میں ۲۸/اپریل ۱۹۷۴ء کو پڑھا گیا)

دعائے فریدیؒ

پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی

اَللّٰھُمَّ[۱] یَا دَائِمَ الْفَضْلِ عَلَی الْبَرِیَّۃِ (وَ[۲]) یَا بَاسِطَ الْیَدَیْنِ بِالْعَطِیَّۃِ وَیَا صَاحِبَ الْمَوَاھِبِ السَّنِیَّۃِ (وَ[۳]) یَا دَافِعَ الْبَلَاءِ وَالْبَلِیَّۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (خَیْرُ الْوَرٰی السَّجِیَّۃِ[۴]) وَ عَلٰی اٰلِہٖ الْبَرَرَۃِ النَّقِیَّۃِ وَاغْفِرْلَنَا (وَلِوَالِدَیْنِ وَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ[۵]) رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ[۶] بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

(سیر الاولیاء: ۱۱۶ ۔ درر نظامیہ باب ۱۴)

اے اللہ۔ اے تمام مخلوق پر ہمیشہ فضل کرنے والے، اسے دونوں ہاتھوں کو عطا کرنے کے لیے بڑھانے والے اور اے بہترین بخشش کرنے والے، اے تمام چھوٹی بڑی بلاؤں کو دور کرنے والے کائنات میں سب سے بہتر حضرت محمدؐ اور ان کی نیک اور پاک اولاد پر درود و سلام بھیجیو، ہماری، ہمارے ماں باپ کی، اور تمام ایمان لانے والوں اور ایمان لانے والیوں کی مغفرت کیجیو، اے اللہ ہمیں حالت اسلام میں بھیجیو اور اپنے نیک بندوں سے ملا دیجیو صدقہ تیرے فضل کا، تیری رحمت کا، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

۱۔ سیر الاولیاء میں اللھم نہیں ہے۔ ۲۔ سیر الاولیاء: واؤ نہیں ہے۔ ۳۔ سیر الاولیاء: واؤ نہیں ہے۔

۴۔ سیر الاولیاء میں ''خیر الوریٰ السجیۃ'' نہیں ہے ۵۔ سیر الاولیاء میں اس کے بدلے یوں ہے، واغفرلنا بالعشاء والعشیۃ۔

۶۔ سیر الاولیاء میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں: وصل علی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ ملائکۃ المقربین وسلم تسلیماً کثیرا برحمتک یا ارحم الراحمین ۔ چونکہ باعتبار زمانہ درر نظامیہ، سیر الاولیاء سے قدیم تر ہے اس لیے اس کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا شجرۂ طریقت

۱۔ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔
۲۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔
۳۔ رئیس التابعین حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ۔
۴۔ قطب المشائخ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ۔
۵۔ قطب الولایت حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ۔
۶۔ سلطان السالکین حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخی رضی اللہ عنہ۔
۷۔ تاج الصلحاء حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
۸۔ أکرم اہل الایمان حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری رضی اللہ عنہ۔
۹۔ شمس الفقراء حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رضی اللہ عنہ۔
۱۰۔ سراج الاصفیاء حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۱۔ عمدۃ الابرار حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۲۔ ملجاء العباد حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۳۔ ملک المشائخ حضرت خواجہ ناصر الدین یوسف الچشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۴۔ ظل اللہ فی الخلق حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۵۔ سدید النطق حضرت خواجہ مخدوم حاجی الشریف زندنی رضی اللہ عنہ۔
۱۶۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رضی اللہ عنہ۔
۱۷۔ نائب رسول اللہ فی الہند خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ۔
۱۸۔ سلطان الطریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ۔
۱۹۔ شیخ شیوخ العالم حریق المحبت حضرت خواجہ بابا شیخ فرید الدین مسعود گنجشکرؒ اجودھنی رضی اللہ عنہ (سیر الاولیا)

حضرت بابا صاحبؒ کا نسب نامہ

۱۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔
۲۔ حضرت شیخ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ۔
۳۔ حضرت شیخ ناصح رضی اللہ عنہ۔
۴۔ حضرت شیخ اسحٰق رضی اللہ عنہ۔
۵۔ حضرت شیخ واعظ الاکبر ابو الفتح رضی اللہ عنہ۔
۶۔ حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاصغر رضی اللہ عنہ۔
۷۔ حضرت شیخ مسعود رضی اللہ عنہ۔
۸۔ حضرت شیخ سلیمان رضی اللہ عنہ۔
۹۔ حضرت شیخ فخر الدین محمود رضی اللہ عنہ۔
۱۰۔ حضرت شیخ شہاب الدین معروف، فرخ شاہ کابلی رضی اللہ عنہ۔
۱۱۔ حضرت شیخ یوسف رضی اللہ عنہ۔
۱۲۔ حضرت شیخ محمد احمد رضی اللہ عنہ۔
۱۳۔ حضرت شیخ شعیب رضی اللہ عنہ۔
۱۴۔ حضرت شیخ سلیمان رضی اللہ عنہ۔
۱۵۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ۔

(ماخوذ از دی لائف اینڈ ٹائمس آف فرید الدین گنج شکرؒ
نوشتہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

حضرت بابا فریدؒ

جناب نثار احمد فاروقی فریدیؒ

حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، جو عام طور پر حضرت بابا فرید کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے اہم ستون ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیض حاصل کیا اور حضرت باب فریدؒ سے باطنی تعلیم حاصل کرنے والے بزرگوں میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ ہیں، جنھیں محبوب الٰہی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان سے چشتی نظامی سلسلہ شروع ہوا اور دوسری طرف حضرت علاء الدین مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کا آغاز ہوا۔ تصوف کے تمام خانوادوں میں سب سے زیادہ مقبول یہی سلسلہ چشتیہ ہے اور اسی کی شاخیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو حضرت بابا فرید کی ذات بابرکات روحانیت کا سب سے بڑا سر چشمہ اور آپ کی خانقاہ رشد وہدایت کا سب سے اہم مرکز رہی ہے، جس کے فیوض وبرکات آج ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت بابا فریدؒ آج سے ٹھیک آٹھ سو سال پہلے غیر منقسم پنجاب کے ایک چھوٹے سے قصبے کھتوال میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی صوبہ میں ان کی اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ یہیں سے انھوں نے روحانیت کا نور اور سرور سارے عالم میں پھیلایا اور آج بھی وہ ملتان کے قریب پاک پٹن میں محو استراحت ہیں۔ ان کی تعلیمات کا فیض آج بھی جاری ہے۔ سلسلۂ چشتیہ آج بھی سرسبز وشاداب ہے۔ روحانیت کے چشمے آج بھی خشک نہیں ہوئے ہیں۔ بے چین دلوں کو سکون کی دولت اسی طرح مل رہی ہے، لیکن بابا فرید کی شخصیت اور تعلیمات کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جن کی اہمیت اور معنویت کل اتنی نہیں تھی جتنی آج ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت بابا فریدؒ پنجابی زبان کے سب سے قدیم شاعر ہیں اور ان کا عارفانہ کلام اس زبان کا بیش قیمت سرمایہ ہے، جسے پنجابی زبان وادب کی تاریخ میں وہی اہمیت حاصل ہے، جو انگریزی زبان میں چاسر (Chauser) اور فارسی میں رودکی کے کلام کی ہے۔ دوسرے حضرت بابا فرید کے یہ عارفانہ اشعار اور اشلوک گوروارجن دیو نے سکھوں کی مقدس کتاب ''آدی گرنتھ صاحب'' میں محفوظ کردیے ہیں اور آج دنیا بھر میں لاکھوں سکھ ان اشعار کو اُسی عقیدت اور محبت سے پڑھتے ہیں جس طرح وہ سکھ دھرم کے بانی حضرت بابا نانک کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں۔ بقول پروفیسر گوربچن سنگھ طالب۔

> ''حضرت بابا فرید کا پنجابی کلام آدی گوروگرنتھ صاحب میں درج ہے، جس کے مطالعے سے ان کی جدّت طبع اور قدرت ادراک کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ انسانی روح کے تجربات اور عمیق احساسات سے وہ بہت حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ انھیں اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ انسان کی عمر بے بہا کا بہت سا حصہ مال ودولت کے حصول اور دنیوی کاروبار میں رائگاں جاتا ہے۔ موت سر پہ منڈلاتی رہتی ہے، لیکن انسان غفلت میں وقت ضائع کرتا ہے۔ انھیں انسانی رنج واندوہ کا بھی گہرا احساس ہے۔ وہ انسان کو تحمل، بردباری، صبر وتوکل، حلم وانکساری کی تعلیم وتلقین کرتے ہیں

وہ بار بار انسان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ مکر وریا سے بچے، کسی کے دل کو ایذا نہ پہنچائے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ''دل بدست آور کہ حج اکبر است'' تمام انسان خدا وند تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کے کلام میں بے حد شرینی ہے۔ تمام اشلوک گہرے جذبات سے بھرپور ہیں، وہ ہنر وفن اور شعر وسخن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ یہ کلام ملتانی زبان کا بیش بہا خزانہ اور پنجابی کا قیمتی اثاثہ ہے۔ اس کے تشبیہات و استعارات پنجاب کی زندگی سے لیے گئے ہیں۔''

اسی لیے پنجاب کے زندہ دل سپوتوں نے آگے بڑھ کر روحانیت کے اس عظیم پیشوا کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت بڑی آن بان اور تزک و احتشام سے منانے کا عزم کیا ہے۔ بابا فرید میموریل سوسائٹی پنجاب میں قائم ہو چکی ہے، جس کا صدر دفتر پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں ہے۔ اس سوسائٹی کی طرف سے اسی[1] مہینے میں ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں اسلامی تصوف کے مطالعہ کے لیے ایک Chair قائم ہو چکی ہے۔

اسی طرح گورونانک یونیورسٹی امرتسر نے تصوف کی اہم کتابوں کو فارسی سے پنجابی میں ترجمہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ نے قدیم پنجابی زبان و ادب میں ریسرچ کے لیے علیحدہ شعبہ قائم کر دیا ہے اور خود بابا فرید میموریل سوسائٹی کے سامنے ٹھوس تعمیری منصوبے ہیں۔

آج ہندوستان اسی عظیم صوفی اور درویش کا آٹھ سو سالہ جشن منا رہا ہے، جس کا مشن ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا تھا۔ جو مذہبی منافرت کو ختم کرنے اور انسان کو انسان سے قریب تر کرنے کے لیے زندہ رہا۔ جسے ایک بار کسی عقیدت مند نے ایک قینچی ہدیہ میں دی تھی تو اس نے کہا تھا۔

''مجھے قینچی نہیں چاہیے۔ سوئی لاؤ۔ میں کاٹتا نہیں ہوں، جوڑتا ہوں۔''

جس کی خانقاہ میں حاجت مندوں، غریبوں، بیکسوں اور درد مندوں کا ہجوم رہتا تھا، جس کے آستانے پر بادشاہان اولوالعزم سر جھکاتے تھے اور جہاں ہر مذہب وملت کے درد مند اپنے دکھ درد کی دوا پاتے تھے۔

حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں جوگی بھی آتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہیؒ نے ایک دن اپنی مجلس میں بیان کیا:

ایک بار میں حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک جوگی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا تمھارا مسلک کیا ہے؟ اور تمھارے ہاں اصل مقصود کیا ہے؟ اس نے کہا:

''ہمارے شاستروں میں لکھا ہے منش کی آتما کے دو چھیتر ہیں۔ پہلا چھیتر سر سے ناف تک اور دوسرا ناف سے پیروں تک۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اوپر کے بھاگ میں ستیہ، گن اور پنیہ کی بھاؤنائیں رہیں اور نیچے کے چھیتر میں برہمچریہ، پوترتا اور پاکی رہے......''

حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ مجھے اس جوگی کی یہ باتیں بہت پسند آئیں۔ حضرت بابا فریدؒ مریدوں اور عقیدت مندوں کو تاکید کرتے تھے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک کرنا چاہیے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ملفوظ مبارک ہے۔

''میں جب شیخ الاسلام فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے بیعت کی تو آپ نے چند مرتبہ فرمایا کہ ''دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔'' اور حقداروں کا حق ادا کر کے انھیں راضی کرنے پر بہت زور دیا۔ مجھے یاد آیا کہ مجھ پر ایک بزاز کا بیس جیتل کا قرضہ واجب ہے اور ایک شخص سے میں نے پڑھنے کو ایک

---

[1] نومبر ۱۹۷۳ء

کتاب لی تھی، اسے واپس کرنا ہے۔ مگر وہ کتاب میرے پاس سے کھوگئی تھی۔ میں نے دل میں طے کرلیا کہ دہلی پہنچ کر سب سے پہلے ان دونوں حق داروں کے حقوق ادا کروں گا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا تو جس بزاز کے بیس جیتل دینے تھے اس کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے تمھارے بیس جیتل دینا ہیں، مگر میرے پاس بیک وقت اتنی رقم نہیں ہوسکی اس لیے صرف دس جیتل لایا ہوں۔ یہ تم لے لو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ باقی دس جیتل بھی جلد ہی ادا کردوں گا۔ اس بزاز نے میری باتیں سن کر کہا: ''اچھا— تم شیخ فریدؒ کے پاس سے آرہے ہو؟ جاؤ باقی رقم میں نے معاف کی۔'' اسی طرح جب میں اس شخص کے پاس گیا جس کی ایک کتاب مجھ سے کھوگئی تھی اور میں نے اس سے کہا کہ میں وہ کتاب کہیں سے نقل کراکر تمھیں دے دوں گا تو اُس نے بھی یہی کہا کہ ''جس مقدس خانقاہ سے تم آرہے ہو، اس کی تاثیر ہی ایسی ہوتی ہے۔'' وہ کتاب مجھے بخش دی۔

جس نظر کیمیا اثر کا یہ فیضان تھا، وہ کیسی زندگی گذارتا تھا؟ اس کے گھر کئی فاقے ہوجاتے تھے۔ مرید جنگل سے جاکر کریل کے پھول چن لاتے تھے اور انھیں پانی میں ابال کر سب کھاتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ جس دن کریل کے اُبالے ہوئے پھولوں میں نمک کی ایک ڈلی بھی پڑجاتی تھی وہ گویا عید کا دن ہوتا تھا۔ بستر کا حال حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے یوں بیان فرمایا:

> ''ایک دن شیخ فرید کے سونے کے وقت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کھاٹ بچھایا گیا۔ وہ کمبل جس کو آپ دن میں اوڑھتے تھے اس کو کھاٹ کے اوپر بچھایا، کمبل کھاٹ کے آخر تک نہیں پہنچتا تھا، جہاں آپ کے پیر ہوتے تھے، ایک کپڑے کا ٹکڑا پائنتی کو بچھا دیا گیا، اگر اس ٹکڑے کو آپ اپنے اوپر کھینچ لیتے تو پیر کی جگہ خالی رہتی تھی۔ ایک عصا تھا جو آپ کو شیخ قطب الدین نے دیا تھا، اس کو لاتے اور کھاٹ پر سرہانے رکھ دیتے۔ شیخ فرید اس عصاء پر تکیہ لگا کر آرام کرتے۔ اس پر ہاتھ پھیر پھیر کر چومتے تھے......''

ایک طرف یہ فقر اور بے سروسامانی تھی، دوسری طرف خلق خدا کا اتنا ہجوم تھا کہ خانقاہ کے دروازے آدھی رات کے بعد بند ہوتے تھے۔ آنے جانے والے کو عموماً کھانا کھلایا جاتا تھا۔ نقد اور جنس کے تحفے دیے جاتے تھے۔ سلطان ناصر الدین ایک بار ملتان جاتے ہوئے اجودھن سے گذرا تو اپنے سارے لشکر کے ساتھ حضرت بابا فرید کی زیارت کرنے آیا۔ اس کے آنے کی خبر سن کر حضرت کسی دوسری جگہ منتقل ہوگئے اور لشکر کے راستے پر آپ کا کرتہ لٹکا دیا گیا، جسے ہزاروں لشکری بوسہ دے کر گذرتے جاتے تھے، حتی کہ وہ کرتہ تار تار ہوکر بٹ گیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن اس زمانے میں اُلغ خاں کہلاتا تھا اور ملتان کا گورنر تھا۔ وہ حضرت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا تو کچھ نقد روپیہ اور چار گانوں کی معافی کے کاغذات پیش کیے۔ بابا صاحبؒ نے نقدی قبول فرمالی اور اسی وقت اپنی خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم کردی، مگر جاگیر لینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ یہ دستاویزیں اٹھالو۔ ان کے طلبگار دوسرے بہت سے ہیں۔

اس اختیاری فقر و فاقہ کے ساتھ غنائے قلبی کا عالم اور دل و دماغ کی کیفیت جو ہمہ وقت عشق خداوندی سے سرشار اور انسانیت کے درد سے دکھی رہتے تھے، ان کا حال حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی زبان مبارک سے سنیے۔ خیر المجالس میں ہے۔

اجودھن میں دو بھائی تھے۔ دونوں سرکاری ملازم تھے۔ ایک بھائی پر درویشی اور ترک دنیا کا غلبہ ہوا اور اس نے ملازمت ترک کردی، اس کے بیوی بچوں کی کفالت دوسرے بھائی نے

اپنی ذمے لے رکھی تھی۔ قضارا وہ سخت بیمار ہوا اور اس کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اس کا بھائی جو حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں رہ کر یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا، ایک دن بہت سراسیمہ و پراگندہ حضرت شیخ فریدؒ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

محمد شاہ! آج تم بہت غمگین اور پریشان ہو۔ کیا معاملہ ہے؟

''پیرومرشد۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا بھائی سارے گھر بار کو چلا رہا ہے اور میں گھر سے بےفکر ہو کر یہاں ذکر و عبادت میں مشغول رہتا ہوں، مگر اب وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ میں اسے جاں کنی کے عالم میں چھوڑ کر دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر وہ مرگیا تو شاید میں اتنی دل جمعی سے عبادت بھی نہ کرسکوں گا......۔ اس وقت جو میرے دل و دماغ کی حالت ہے بس میں ہی جانتا ہوں......۔''

''اس وقت جو تمھارے دل و دماغ کی حالت ہے، میں تو سالہا سال سے اسی کیفیت میں رہتا ہوں مگر اس کا اظہار نہیں ہوتا...... جاؤ تمھارا بھائی صحت یاب ہو چکا ہے اور اس وقت کھانا کھا رہا ہے......''

اور جب حضرت شیخ فریدؒ کی خانقاہ سے اپنے گھر آ کر محمد شاہ غوری نے دیکھا تو واقعی ان کا بھائی پلنگ پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ حضرت بابا صاحبؒ کی زبان مبارک کی تاثیر تھی۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ ''بندہ عبادت کے ذریعہ میرا قرب تلاش کرتا ہے تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں، وہ مجھ سے بولتا ہے۔'' اسی مضمون حدیث کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یوں بیان کیا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی خاصان خدا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خدا ہی کے الفاظ ہوتے ہیں، بندے کی زبان ہوتی ہے۔ بابا فرید نے ایک دن فرمایا تھا:

''چالیس سال تک بندہ مسعود نے وہی کیا جو خدا چاہتا تھا۔ اب خدا وہ کرتا ہے جو مسعود چاہتا ہے۔''

یہ تو بابا صاحب کی زبانِ حق ترجمان کی کرامت تھی۔ آپ کے ارادت مندوں کے لیے آپ کے نام میں بھی کتنی برکت ہے اس کا اندازہ ان رسموں سے اور اوراد و اعمال سے ہوتا ہے جو آج بھی چشتی سلسلے میں جاری ہیں۔ شمالی ہندوستان میں آج بھی دلہن کے ساز و سامان میں ''بابا فرید کا سہاگ پُڑا'' شامل ہوتا ہے۔ زچہ کو دردِ زہ سے نجات دینے کے لیے آج بھی کوری ٹھیکری پر بابا فرید کا ٹونا لکھ کر پیٹ پر رکھا جاتا ہے۔ راستے کے امن، اور چوروں سے محفوظ رہنے کے لیے آج بھی یہ شعر تعویذ میں لکھا جاتا ہے۔''

الٰہی بحق شکر گنج شاہ
نگہدار مارا ز دُزدانِ راہ

اور یہ حضرت بابا فریدؒ کے نام ہی کی برکت تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کی ڈاڑھی کا ایک بال لے کر رکھ لیا تھا اور جب کوئی مریض آتا تھا، وہ بال تعویذ کے طور پر دیا کرتے تھے اور صحت یاب ہو کر وہ اسے واپس کر جاتا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ اگر کسی مریض کی قسمت میں شفا نہیں ہوتی تھی تو لاکھ تلاش کرنے پر بھی وہ بال نہیں ملتا تھا۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ جو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے خلیفہ اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے پیرومرشد ہیں، فرماتے ہیں:

سرسادہ کا ایک شخص کچھ معافی رکھتا تھا۔ ایک بار اس کے گھر میں آگ لگی اور معافی کے کاغذات جل گئے۔ وہ ان

دستاویزوں کی مصدقہ نقل حاصل کرنے کے لیے سرسادہ سے دہلی آیا اور یہاں محکمہ والوں کی بڑی خوشامد کر کے سخت جدوجہد کے بعد فرمانِ معافی کی نقل حاصل کی۔ جب اسے مطلوبہ دستاویز مل گئی تو خیال ہوا کہ اب وطن واپس جانے سے پہلے کچھ دہلی کی سیر بھی کرنی چاہیے۔ وہ کاغذ اس نے پگڑی کے اندر رکھ لیا اور دہلی میں گھومتا رہا۔ رات کو جب سرائے میں واپس پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی کہ وہ دستاویز پھر گم ہو چکی ہے۔ وہ حواس باختگی کے اسی عالم میں سارے شہر کی خاک چھانتا رہا اور رو رو کر پکارتا تھا کہ ''اگر کسی نے میرا کاغذ دیکھا ہو تو دے دو۔'' آخر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں آیا اور رو رو کر دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ:

ہمارے پیرومرشد حضرت شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز دلانے کو ایک جیتل کی مٹھائی لاؤ تو ہم دعا کریں گے۔

وہ شخص رات ہی کو بازار گیا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ بڑی تلاش کے بعد ایک حلوائی کی دکان کھلی ہوئی دیکھی اور اس سے ایک جیتل کی مٹھائی طلب کی۔ حلوائی نے مٹھائی تول کر اسے کاغذ میں باندھنے کے لیے ردی کے ڈھیر میں سے ایک بڑا سا کاغذ اٹھایا تو وہی دستاویز تھی جس کی تلاش میں پریشان پھر رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر وہ کاغذ حلوائی کے ہاتھ سے اچک لیا اور حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں اس شان سے واپس آیا کہ ایک ہاتھ میں وہ کاغذ تھا اور دوسرے ہاتھ سے دامن کو سنبھالے ہوئے تھا جس میں مٹھائی بھری تھی۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا تم ہمارے شیخ حضرت بابا فرید کی نیاز دلاؤ تو اس کی برکت سے خدا تمھاری پریشانی دور کر دے گا۔

حضرت بابا فریدؒ کی کشف و کرامت کے لاکھوں قصے عوام الناس کی زبان پر ہیں اور ان سے کتابیں بھی بھری پڑی ہیں۔ بعض تو اتنے فوق الفطرت اور مبالغہ آمیز ہیں کہ کسی طرح انھیں عقل باور نہیں کر سکتی، لیکن حضرت امیر حسن دہلوی کے مرتب کردہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' (Fawaid- ul-Fuwad) امیر خورد کرمانی کی تالیف سیر الاولیاء اور حمید قلندر کے جمع کیے ہوئے حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات ''خیرالمجالس'' نہایت درجہ مستند کتابیں ہیں اور ان کے مطالعے سے حضرت بابا فرید گنج شکر کی شخصیت کی جو تصویر ابھرتی ہے، اسے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

''حضرت شیخ فریدؒ نے ۱۲۶۸ء میں انتقال فرمایا، اس وقت سے اب تک سات سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور اس عرصہ میں یہ ملک کتنے ہی سیاسی انقلابات سے گذرا ہے، کتنے شاہان اولوالعزم آئے اور چلے گئے، کتنی سلطنتیں بنیں اور بگڑ گئیں، کتنی تہذیبی ابھریں اور ڈوب گئیں، مگر ان سب حوادث اور تغیرات کے باوجود بابا فرید کا آستانہ اسی طرح عوام الناس کی عقیدت اور محبت کا مرکز اور ان کی روحانی پیاس بجھانے والا سرچشمہ بنا رہا ہے۔ امیر تیمور جیسا سفاک جنگ جو، جس کے راستے میں جو شہر بھی آیا وہ آگ اور خون میں نہائے بغیر نہ رہا، جب اجودھن پہنچا تو اس نے اپنی خوں آشام تلوار نیام میں رکھ لی تھی اور اپنے لاؤ لشکر سمیت بابا فریدؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آنے والی نسلوں نے بابا صاحبؒ سے اپنی عقیدت اور گہری محبت کو صدیوں سے زندہ رکھا ہے۔ ہر دور میں ہندو مسلمان اور سکھ یکساں طور پر ان کی یاد سے اپنے دلوں کو گرماتے رہے ہیں۔ جب تک بابا صاحب بقید حیات تھے، عوام ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے دور دور سے آتے تھے۔ ان میں خراسان، جرجان، دہلی اوچھ، ناگور، ملتان، اجمیر، بوہار اور لکھنوتی تک کے مسافر ہوتے تھے۔ ان میں

وزیر بھی ہوتے تھے، زمیندار بھی، سپاہی، صوفی، تاجر، عالم، پیشہ ور، فقیر اور محنت کش، سبھی بابا صاحب کے قدموں میں اپنا سر جھکانے آتے تھے۔''

بابا فریدؒ کی عظمت ایک محبت کرنے والے دردمند دل کی عظمت تھی۔ وہ شب و روز مصیبت زدہ اور دکھی انسانوں کی فریادیں سنتے اور ان کا مداوا کرتے تھے۔ ان کے زخموں پر اپنی شفقت بھری دعاؤں سے مرہم رکھتے تھے، ان کی ٹوٹی ہوئی آس بندھاتے تھے۔ ان میں زندگی گذارنے کا حوصلہ اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ کتنے مختلف مسائل تھے جو صبح سے شام تک ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ کوئی کہتا تھا:

حضور—— میری کئی لڑکیاں ہیں۔ وہ سیانی ہوگئی ہیں۔ مجھے ان کی شادی کی فکر ہے۔ دعا کیجیے کہ میں ان کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

اور کوئی یوں اپنی مصیبت بیان کرتا تھا۔

حضرت—— میرا مالک بہت ظالم اور بے رحم ہے، مجھے کوئی ایسا تعویذ دے دیجیے کہ اس کے ظلم سے محفوظ رہوں۔

کوئی یوں فریاد کرتا تھا۔

مالک—— میرے گاؤں پر فوج نے یورش کی تھی اور میری بیوی کو قید کر کے لے گئے۔ مجھے میری بیوی نہیں ملے گی تو مرجاؤں گا...... مرجاؤں گا۔

اور حضرت بابا فرید ان سب دکھیاروں کی بپتا سنتے تھے۔ اپنی خانقاہ میں آنے والے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے مرحمت فرماتے تھے۔ کبھی نقدی دیتے تھے۔ پھر اس کی مشکل حل کرنے کے لیے کبھی کسی بادشاہ، امیر یا وزیر کو سفارشی خط لکھتے۔ کبھی تعویذ دیتے، کبھی خود اس کے لیے دعا کرتے۔ کبھی کوئی وظیفہ پڑھنے کے لیے حکم دیتے تھے۔ بابا صاحبؒ کے آخری زمانۂ عمر میں سلطان غیاث الدین بلبن حکمراں تھا۔ وہ کیسے جلال و جبروت والا اور کس طنطنے اور دبدبے کی حکومت کرنے والا شہنشاہ تھا، اس کا حال تاریخ کے طالب علم ہی جان سکتے ہیں۔ اس کے دربار میں ہزاروں امراء میں سے صرف چند مخصوص امیروں ہی کو شہنشاہ سے ہم کلام ہونے کی عزت حاصل تھی۔ باقی سب درباری بُت بنے کھڑے رہتے تھے اور آداب دربار کا اسے اتنا خیال اور پاس تھا کہ اپنے چہیتے بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر بھی شہنشاہ کو دربار میں کسی نے متحرک ہوتے نہیں دیکھا، مگر اسی بلبن کو ایک شخص کی سفارش کرتے ہوئے حضرت بابا فریدؒ نے خط لکھا تھا:

''شحنہ دہلی بلبن کے نام۔ میں نے اس شخص کا معاملہ خدا کے حضور میں پیش کیا تھا اور اب خدا کے حکم سے تیرے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تو اسے کچھ دے گا تو در حقیقت دینا خدا ہی کی صفت ہے، مگر تیرا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اور اگر تو نے اس شخص کا کام نہ کیا، تو دراصل مانع خدا ہی کی ذات ہے، تجھے معذور سمجھا جائے گا۔''

جس وقت بابا صاحبؒ کا یہ رقعہ بلبن کو سر دربار دیا گیا، اس نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے لیا، پڑھا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھ کر بے ساختہ دربار میں رقص کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ بلبن جانتا تھا کہ میرا سکّہ سونے اور چاندی کی ٹھیکریوں پر ہے، مگر اس بے سروسامان فقیر کی حکومت دلوں پر ہے۔ میری حکومت چند روزہ ہے، مگر اس درویش کی سلطنت دوام آشنا ہے۔

حضرت بابا فریدؒ نے ۶۶۴ ہجری یعنی ۱۲۶۵عیسوی میں محرّم کی پانچویں تاریخ کو انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۳ سال ہو چکی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ان کے آخری وقت کا حال یوں بیان کیا ہے۔

''محرم کی پانچویں تاریخ کو حضرت شیخ کی بیماری غالب آ گئی۔ رات کی نماز انھوں نے جماعت سے پڑھی اور کچھ دیر کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ (باقی صفحہ نمبر ۴۹ پر)

حضرت بابا فریدؒ
سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات میں

پروفیسر نثار احمد فاروقی

مجالس حسنہ: مجالس حسنہ حضرت شیخ حسن محمد چشتی[1] علیہ الرحمہ کے ملفوظات ہیں جن کے جامع اور مؤلف حضرت خواجہ شیخ محمد چشتیؒ ہیں[2]۔ اس میں صرف ۲۳ محلوں کے ملفوظات قلمبند ہوئے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے اور غالباً آج تک شائع نہیں ہوئی مگر اس کا اردو ترجمہ جو کل ۴۴ صفحوں میں آیا ہے، عرصہ ہوا لاہور سے چھپ گیا تھا[3]۔

اس کتاب میں اختصار کے باوجود بزرگان سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے حالات وسوانح سے متعلق مفید اشارات ملتے ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ خواجہ گل محمد احمد پوری کی تالیف تکملہ سیر الاولیاء[4] میں متعدد مواقع پر ملتا ہے، مگر غلطی سے نام ہر جگہ مجالس حسینیہ لکھا ہے[5]۔

آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (ف، ۷۵۷ھ) سے ان کے خواہر زادے شیخ کمال الدین کو خلافت ملی تھی اور تکملہ سیر الاولیاء کے مطابق انھوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی اجازت حاصل کی تھی۔ ان کا انتقال ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۶ھ کو ہوا۔ دہلی میں اپنے پیرومرشد کے جوار میں مدفن ہیں۔

انھوں نے اپنے بیٹے حضرت شیخ سراج الدین کو خلافت دی تھی جنہیں حضرت چراغ دہلی سے بھی خرقہ ملا ہوا تھا۔ ان کا وصال ۲۱ جمادی الاول ۸۱۷ھ کو ہوا اور نہر والہ (گجرات) کے محلہ برکات پورہ میں مدفون ہیں۔ ان کے فرزند شیخ علم الدین چشتی تھے جنہوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ سے بھی خرقہ پایا اور ۲۶ر صفر المظفر ۸۱۹ھ کو انتقال فرمایا۔ اپنے والد کے جوار میں دفن ہوئے۔ ان کے فرزند اور جانشیں حضرت شیخ محمود راجن چشتی (وفات ۲۲ر صفر ۹۰۰ھ) ہوئے۔ انھیں حضرت مخدوم جہانیاں گشتؒ سے بھی خرقہ ملا تھا[6]۔ ان کے جانشین حضرت شیخ جمال الدین عرف شیخ جمن ہوئے اور ان کے بھتیجے شیخ حسن محمد چشتی بن شیخ احمد عرف میاں جیو تھے جن کے ملفوظات مجالس حسنہ میں قلم بند ہوئے ہیں۔ شیخ حسن محمد سے خرقہ خلافت شیخ محمد چشتیؒ (جامع مجالس حسنہ) کو پہنچا۔ ان سے حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کو اور ان سے حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کو ملا۔ شجرہ نسب جو شجرہ طریقت بھی ہے اس طرح ہے[7]۔

(شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت شیخ حسن محمد چشتی[8] نے ۲۸ر ذی قعدہ ۹۸۲ھ کو انتقال فرمایا۔ احمد آباد گجرات کے محلّہ شاہ پور میں مدفون ہیں۔ انھوں نے بیشتر روایات اپنے والد بزرگوار شیخ احمد میاں جیوؒ سے سُنی ہوں گی، اس لیے مجالس حسنہ میں جو سوانحی اشارے خاندان چشتیہ کے بزرگوں کے بارے میں ملتے ہیں، وہ معتبر اور مستند ہیں۔

یہ ملفوظات مختصر ہیں۔ ان میں تعلیم سلوک بھی ہے، آداب درویشی کا بیان بھی اور سلسلے کے بزرگوں کے بارے میں سوانحی معلومات بھی مل جاتی ہیں۔ ملفوظات کے دوسرے موضوع

مجموعوں کے برخلاف اس میں فوق الفطری عنصر اور خوارق کا بیان تقریباً نہیں ہے۔

کتاب کے جامع شیخ محمد چشتی صاحب (وفات ۲۹/ربیع الاول ۱۰۴۰ھ) بھی احمد آباد میں مدفون ہیں۔ یہ صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے "چہل و دو رسائل" مشہور ہیں۔ مگر اب بیشتر تصانیف ناپید ہیں۔ ان ہی میں سے ایک تالیف یہ مجالس حسنہ ہے جس میں انھوں نے اپنے والد بزرگوار اور پیر و مرشد شیخ محمد حسن چشتیؒ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ان کی ایک اور تصنیف فن سلوک میں آداب الطالبین ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرہ محمود شیرانی میں محفوظ ہے[9]۔

مجالس حسنہ میں کتابوں کے حوالے بہت کم آئے ہیں۔ صرف ایک جگہ یہ ہے کہ نزہتہ الارواح میں سید حسن نے فرمایا ہے[10]۔ اس کے علاوہ حجتہ الاسلام غزالی اور شیخ شہاب الدین کے اقوال کا جہاں حوالہ ہے، ممکن ہے کہ ان کی تصانیف سے ماخوذ ہو۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ چشتیہ نظامیہ کے بزرگوں کی نظر سے فوائد الفواد نہ گزرے۔ شیخ حسن محمد چشتیؒ کے ملفوظات میں اس کتاب کا حوالہ تو کہیں نہیں آیا ہے، مگر بعض باتیں صریحاً فوائد الفواد سے منقول ہیں۔ مثلاً

"حکایت شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ درافتاد...... اگر کسے بیاید و درم قلب بدو داد و آنچہ او پختہ بودے بخریدے و آن درم بستدے اگر چہ بدانستے کہ قلب است بر روئے خرندہ چیزے نگفتے و آنکہ درم سرہ بیاوردے او را نیز بدادے تا خلق را چناں معلوم شد کہ او قلب و سرہ را فرق نمی کند و بیشترے می آمدند و درم قلب را میں داند۔ داد بجاے سرہ می گرفت و بایشان پیدا نمی کرد و طعام بدیشاں می داد تا وقت نقل او شد۔ روے سوے

آسمان کرد وگفت خداوندا تو دانا تری کہ خلق مرا در قلب دادند و من بجاے سرہ قبول کردم و بروے ایشاں رد نکردہ ام اگر از من طاقت قلبی در وجود آمدہ است بکرم خود برروے من رد مکن۔ (فوائد الفواد۔۵۳)

(ترجمہ) فرمایا شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ بہت اعلیٰ درجے کے بزرگ تھے اور ان کی ایک معتبر تفسیر بھی ہے۔ وہ غزنی میں رہا کرتے تھے اور سبزی پکا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص کھوٹا درم دے کر سبزی خرید لیتا تو وہ کھوٹا درم ہی لے کر خاموش ہو جاتے تا کہ خلقت کو معلوم نہ ہو کہ یہ کھوٹے کھرے میں تمیز کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے آدمی اسے کھوٹے درم دے کر سبزی خرید لے جاتے۔ ایک مرتبہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف منھ کر کے اور صدق دل سے کہا۔ اے خداوند تعالیٰ تجھے معلوم ہے کہ میں نے کھوٹے درموں کو رد نہیں کیا، اگر مجھ سے بھی کوئی کھوٹی طاعت ظاہر ہوئی ہو تو اپنی مہربانی سے رد نہ کر۔ (مجالس حسنہ۔۱۵)

اسی طرح ایک مجلس میں شیخ سعد الدین حمویہ کا قصہ بیان ہوا ہے۔ یہ بھی فوائد الفواد سے ماخوذ ہے۔ اور ۹ رذی الحجہ ۷۱۴ھ کی مجلس میں ملتا ہے[11]۔

یہاں مجالس حسنہ سے صرف وہ حصے اقتباس کیے جاتے ہیں جن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ یا ان کے جانشین حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کا حوالہ آیا ہے۔

مجالس حسنہ میں ان بزرگوں سے متعلق بعض نئے اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اس کتاب سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء بغیر شیرازے کی کلاہ نہیں باندھتے تھے کیونکہ ان کے شیخ نے بھی ایسی کلاہ استعمال نہیں کی تھی۔

۲۔ دوسرا واقعہ جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حوض شمسی پر حضرت نماز میں مشغول تھے، کچھ لوگوں نے آپ کی دستار کی وضع سے یہ سمجھا کہ یہ نقشبندی سلسلے کے درویش ہیں۔ آپ نے سلام پھیر کر اپنی دستار مبارک اتاری اور اسے اپنے شیخ کے طریقے سے باندھا۔ یہ بات درر نظامیہ اور سیر الاولیاء میں بھی ملتی ہے مگر یہ اشارہ اسی کتاب سے ملا ہے کہ بابا صاحبؒ اور حضرت نظام الدینؒ ''فیل گوشی'' وضع کی دستار باندھتے تھے۔

۳۔ اس کے ساتھ ہی حضرت برہان الدین غریب کے لباس کی وضع بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے شیخ کے اتباع میں اس طرح پگڑی باندھتے تھے کہ ایک کان ڈھکا رہتا تھا۔

۴۔ مجالس حسنہ ہی سے یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے بابا صاحبؒ کو دعا دی تھی کہ آپ کی نسل بہت ہوگی۔

کلاہ کی وضع: (۱) فرمایا کہ ایک روز شیخ الاسلام نظام الحق والدین محمد احمد بدایونی قدس اللہ روحہ جمعہ کی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ جب آپ لباس پہن چکے تو خادم کلاہ لایا جس کے بند میں شیرازہ نہ تھا۔ آپ نے نہ پہنی اور خادم کے ہاتھ واپس کر کے فرمایا کہ ہمارے خواجہؒ (بابا فریدؒ) نے کبھی بغیر شیرازے کے نہیں پہنی۔ ہم کس طرح پہنیں۔ (ص۹)

فیل گوشی دستار: (۲) فرمایا ایک روز شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ حوض شمسی پر نماز ادا کر رہے تھے۔ چند درویش آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ جو آدمی نماز میں مشغول ہے، یہ بہاء الدینی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا، یہ کس طرح معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ پگڑی کی بندش سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے دستار سر سے اتار کر حضرت فرید الدین قدس اللہ سرہ کے طریق کے موافق باندھی یعنی فیل گوشی باندھی۔ فیل گوشی[12] پگڑی کی وہ بندش ہے جس میں کور پر کور آتی ہے۔ (ص۹)

محبوب الٰہی کی وضع: (۳) فرمایا کہ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے مرید ایک کان پگڑی کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روز جب شیخ الاسلام نظام الحق والدین محمد بدایونی رضی اللہ عنہ کو شیخ برہان الدین نے دیکھا کہ ایک کان پگڑی سے ڈھانپا ہوا ہے اسی روز سے شیخ برہان الدین غریب نے بھی اسی طرح پگڑی باندھنی شروع کی ہے، اس لیے ان کے مرید بھی اسی طرح باندھتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ جمال الحق والدین محمد عرف شیخ جمن کے ملفوظات سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد یعنی شیخ محمود عرف راجن کی زبان مبارک سے سنا کہ خواجہ یعقوب کے مریدوں میں سے ایک مرید کہتا تھا کہ جب شیخ برہان الدین [۱۳] نے شیخ نظام الدین کی پیروی کر کے ایک کان دستار میں ڈھانپا تو بہت حضوری حاصل ہوئی۔ کاش وہ دوسرے کان کو بھی ڈھانپ لیتے تا کہ اس سے بھی زیادہ حضوری حاصل ہوتی۔ (۹۔۱۰)

واسکٹ کا عطیہ: (۴) فرمایا: ایک روز شیخ احمد بنواء شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس سرہ کی خدمت میں آئے اور واسکٹ کے واسطے التماس کی۔ بندگی شیخ نے واسکٹ مرحمت فرمائی اور بیعت اور بالوں کا کترنا نہ ہوا۔ شیخ الاسلام شیخ نظام الدینؒ کی وفات کے بعد شیخ احمد بنواء دہلی میں آئے اور بندگی قطب الاقطاب شیخ نصیرالدین محمود سے ملاقات کی اور بیعت کی التماس کی۔ شیخ نے فرمایا کہ تو کسی پر ارادت رکھتا ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے واسکٹ عنایت ہوئی تھی لیکن بیعت نہیں کی تھی۔ پس شیخ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں، وہی بیعت تھی۔ (۱۴۔۱۵)

اہل اللہ: (۵) ایک لاہوری آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اس زمانے میں کوئی اہل سماع (سننے والا) نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر اہل نہ ہو تو دنیا ہلاک ہو جائے۔ پس اس آدمی نے کہا جیسا کہ گزشتہ زمانے میں شیخ نصیرالدین، شیخ نظام الدین، شیخ فریدالدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ تھے۔ اب ان جیسا کوئی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس زمانے میں بھی لوگ ایسا ہی کہا کرتے تھے [۱۴]۔ (ص ۱۹)۔

قطب صاحب اور سماع: (۶) آپ نے فرمایا کہ بعض مردان خدا سماع ہی میں فوت ہو گئے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ قطب الدین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے میں (مراد ربیع الاول) ان دو بیت کا سماع سنتے تھے۔

کشتگان　خنجر　تسلیم　را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است
عقل کے داند کہ ایں رمز از کجاست
ایں حکایت　رابیانے　دیگر　است

نماز کے وقت ہوشیار ہو کر نماز ادا کرتے اور پھر سماع میں مشغول ہو جاتے، حتی کہ بدن سے خون جاری ہو گیا اور دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ عشق میں ایسے جلے کہ غسل دیتے وقت جب آپ کے جسم مبارک پر پانی ڈالا گیا تو گوشت پارہ پارہ ہو گیا۔

فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب ہم نے سنا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر کے زمانے میں ایک مرد خدا سماع ہی میں فوت ہو گیا تو دل میں شوق ہوا کہ کوئی ایسا آدمی ملے جو اس مجلس میں حاضر تھا تا کہ اس سے اس مرد کا حال معلوم کیا جائے۔ پس ہم اس شہر میں گئے جہاں یہ واقع ہوا تھا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جس نے کہا کہ میں مجلس میں حاضر تھا۔ وہ ایک اندھا بوڑھا آدمی تھا۔ ہم نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ سماع میں ایسے محو ہو گئے کہ سماع ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا اور ایسے جل گئے کہ پانی ڈالتے وقت آپ کا گوشت مبارک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ (۱۹۔۲۰)

بابا صاحبؒ کو غریب نوازؒ کی دعا: (۷) جب قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ درویشوں کو چاہیے کہ اپنے پاس مال نہ رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ سلطان ابوسعید گازرونی کے پاس بہت مال تھا اور شیخ بہاء الدین بھی مالدار تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے طریقے ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ فرید گنجشکر کی اولاد زیادہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی تنگی تھی۔ اس کے بعد ایک نے پوچھا کہ شیخ فریدالدینؒ کی اولاد زیادہ کیوں تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، اجمیر کی راہ دہلی آئے [۱۵]۔ خواجہ قطب الحق والدین دہلی میں تھے، خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین سے ملاقات کی۔ کچھ مدت کے بعد اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ خواجہ قطب الدین بھی ہمراہ ہوئے۔ وہ تمام آدمی جو خواجہ قطب الدین کے ہمراہ تھے خواجہ معین الدین کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے اور حضرت فریدالدینؒ خواجہ قطب الدین کی طرف کم توجہ کرتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے خواجہ معین الدین کی طرف توجہ ترک نہیں کی تھی اور خواجہ معین الدین نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ یہ بھی آپ کا غلام ہے۔ پس خواجہ معین الدین بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بہت بڑا ہوگا۔ کلاہ منگا کر ایک طرف سے آپ نے پکڑی اور دوسری طرف سے خواجہ قطب الدین کے ہاتھ دے کر شیخ فرید کے سر پہنائی اور فرمایا کہ اس کی نسل بہت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا کرے گا۔ اس سبب سے شیخ فریدالدینؒ کی نسل زیادہ تھی۔ (ص ۲۸۔۲۹)

محبوب الٰہی کے خلیفہ: (۸) فرمایا کہ شیخ کمال الحق والدین کی والدہ شیخ نصیرالحق والدین کی حقیقی بہن تھیں۔ آپ زمانے کی رابعہ تھیں اور اودھ میں وفات پائی اور شیخ کلاں سے تھیں۔ پہلے آپ کی سکونت اودھ میں تھی، پھر جب شیخ نصیرالدین سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کی اجازت سے دہلی میں مقیم ہوئے تو تمام اہل وعیال اودھ سے چلایا آیا اور دہلی میں سکونت اختیار کی اور شیخ کمال الدین تمام علوم میں ماہر تھے۔ چنانچہ مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی، مولانا عالم سنگریزہ ملتانی اور تتارخاں مرحوم آپ کے شاگرد تھے اور مخدوم جہانیاں سید جلال الحق والدین بخاری سرہ العزیز نے بھی حضرت شیخ کمال الدین سے علم حاصل کیا اور جامع العلوم میں لکھا ہے کہ میں نے شرح مشارق حضرت شیخ کمال الدین سے پڑھی ہے۔ (۳۱۔۳۲)

مخدوم جہانیاںؒ کا بیان: (۹) نقل ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں ایک دفعہ چاشت کے وقت خلوت میں تھے۔ اپنے چند یاروں کے ساتھ خوش وخرم بیٹھے تھے اور جیسے دوست دوست کے ساتھ بات چیت کرتا ہے، آپ نے کہا کہ سنو، میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں کہ شروع شروع میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ سلطان محمد نے دعا گو اور ابوسعید بن شیخ جلال الدین ساکن اوچہ کو شہر میں طلب کیا۔ میرے مخدوم والد بزرگوار دامت برکاتہ نے اجازت دی کہ شہر اوچہ میں جاؤ۔ حکم کا بجالانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ جب میں آیا تو شیخ الاسلام شیخ نصیرالدینؒ کی خانقاہ میں اترا تو میرے لیے حجرہ مقرر کر کے شیخ نے اپنے بھانجے شیخ کمال الدین کے پاس جو حاجب تھا، لے جا کر فرمایا کہ پڑھ۔ اور مولانا شمس الدین نے ان سے شرح مشارق سنی ہے اور پڑھنے والے مولانا جمال الدین تھے۔ اور شیخ کمال الدین نے شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی سے بھی خلافت حاصل کی ہے اور حضرت شیخ نصیرالحق والدین سے بھی۔ ان کی نظر مبارک کی برکت سے آج تک مشیخت کا سجادہ ویسے کا ویسا شیخ کمال الدین کی اولاد میں سلسلہ وار چلا آتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابد تک اسی طرح رہے [۱۶]۔ آمین یارب العالمین۔

شیخ کمال الدین کا مرتبہ: (۱۰) اور پہلے محققین سے حضرت نصیرالدین محمود شیخ کمال الدین کی بہت تعظیم بجالاتے اور جوں

ہی شیخ کمال الدین کی دستار مبارک دیکھتے، تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے اور نیز شیخ جمن نے بھی فرمایا ہے کہ ملک صدر جہاں بن مولانا خواجہ کندوری بن شیخ سراج الدین محمد سے میں نے سنا ہے کہ شیخ ابوالفتح کی مجلس میں جب بندگی شیخ راجن تشریف لاتے تو جس وقت آپ کا رخ مبارک دیکھتے، کھڑے ہو جاتے اور فرماتے کہ جس جگہ شیخ نصیرالدین محمود شیخ کمال الدین کی دستار مبارک دیکھ لیتے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور شیخ جمن کی والدہ شیخ عزیز اللہ کی بیٹی تھیں۔ آپ کا اسم مبارک بی بی دُر ملک تھا۔ یہ صالح اور پرہیز گار تھیں۔ اور سید السادات سید محمد گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی تالیفات میں شیخ کمال الدین کے مناقب بہت درج فرمائے ہیں۔ اپنے عہد میں وہ زمانے کے پیشوا تھے۔ ابوالمظفر سلطان فیروز شاہ انار اللہ برہانہ اور اس کے امیر اور وزیر حضرت شیخ کمال الدین پر بہت توجہ رکھتے تھے۔ (۳۲۔۳۳)

(۱۰) آپ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ کمال الدینؒ کو خانہ کعبہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کا بہت اشتیاق ہوا تو سلطان المشائخ شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے آپ کو اجازت عنایت فرمائی اور اپنا جامہ پہنایا اور اپنی جگہ پر بٹھا کر خلافت نامہ مرحمت فرمایا۔ شیخ کمال الدین نے سلطان المشائخ کے قدم مبارک پر سر رکھا اور روانہ ہوئے۔ شیخ نظام الدینؒ کی نظر مبارک کی برکت سے خانہ کعبہ کی زیارت حاصل ہوئی اور سات حج کیے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بیت المقدس کی زیارت کی اور خراسان کی طرف واپس چلے گئے۔ ملکوں اور ولایتوں کے بادشاہ، شیخ کمال الدین کی زیارت کے لیے آتے اور تعظیم بجا لاتے۔ آپ بہت مال و اسباب لائے۔ چنانچہ جب آپ دہلی میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کے پاس علاوہ اور اسباب کے تیرہ گونیں (بوریاں) سونے اور چاندی کی تھیں۔ جب شیخ نصیر الدین محمود نے تیرہ اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے دیکھے تو فرمایا شیخ کمال الدین، اتنی دنیا تو نے کس واسطے جمع کی ہے؟ شیخ کمال الدین نے کہا میں نے راہ میں سنا تھا کہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین رحلت فرما گئے ہیں اور شیخ نصیرالدین محمود سجادے پر بیٹھے ہیں۔ اگر میں خالی ہاتھ جاؤں گا تو میری اہانت ہوگی، اس واسطے میں لایا ہوں۔ اس میں اسے عالموں اور صالحوں پر خرچ کروں گا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھوں گا۔ چنانچہ اسی طرح آپ نے کیا کہ سونے کی تھیلی کا منہ بند کر کے اس پر سیاہی مل کر فرماتے کہ یہ سیاہی ہے، اس کو قبول کرو۔ اسی طرح تیرہ کے تیرہ اونٹوں کا مال و اسباب عالموں، مسکینوں اور نیک لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ اس کے بعد تاتار خاں نے اسّی ٹنکے (ٹنکہ) روزینہ بادشاہی کچہری سے لکھوا کر لا دیا۔ شیخ کمال الدین اسے شیخ نصیرالدین کے پاس لے گئے اور عرض کی کہ کیا حکم ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب بغیر قصد اور طلب کے تمہیں ملتا ہے تو یہ بمنزلہ فتوح کے ہے۔ اسے قبول کرو۔

شیخ کمال الدین نے وظیفہ قبول کر لیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مبارک نظر کی برکت سے شیخ کمال الدین زاہد عابد اور پیشوائے زمانہ ہوئے[17]۔ (۳۳۔۳۴)

کشکول کلیمی: حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی[18] (ف۔۱۱۴۲ھ) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد ہیں۔ کمالات باطنی کے علاوہ علوم شریعت میں بھی مقتدائے زمانہ تھے۔ ان کی تصانیف میں سواء السبیل، کشکول، مکتوبات کلیمی وغیرہ معروف ہیں جو اگر چہ شائع ہو چکی ہیں مگر آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ ان کے کشکول[19] میں صرف ایک مقام پر حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ کا نام مبارک آیا ہے۔ اور یہ بیان خاصا اہم ہے۔ اس سے بابا صاحبؒ کے پنجابی کلام کی سند بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ

دہلوی فرماتے ہیں۔

''حضرت شیخ الشیوخ شکر گنج قدس سرہ نے زبان پنجابی میں ذکر کیا ہے ''اہ دل توں'' اس سے جانب علویات اشارہ ہے۔ ''اہ دل توں'' جانب سفلیات اشارہ ہے۔ تو ہیں توں، یہ اشارہ جانب اطلاق ہے۔''

اسی وجہ سے خود حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے بھی تلقین کی ہے[20]۔

''اگر مرید عجمی مرد ہو، اس کو ذکر کی اس کی زبان مادری میں تلقین کرنا چاہیے کہ عمدہ فائدہ پہنچے گا[21]۔''

مکتوبات کلیمی: حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے مکتوبات جن کا بیشتر حصہ حضرت کے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے نام ہے، ۱۳۰۱ھ میں مطبع یوسفی دہلی سے طبع ہو چکے ہیں۔ چشتی نظامی سلوک کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ خطوط نہایت اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مکتوبات میں صرف دو جگہ حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمہ کا حوالہ آیا ہے۔ ایک موقع پر بابا صاحب کا وہ عربی خط نقل ہوا ہے جو انھوں نے کسی شخص کی سفارش کرتے ہوئے سلطان بلبن کو لکھا تھا[22]۔ اور یہاں اس کی عبارت قدرے مختلف ہے، لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے یہ محض یادداشت سے لکھا ہے۔ خط کی صحیح شکل اخبار الاخیار میں ملے گی[23]۔

دوسرا حوالہ بہت دلچسپ ہے۔

شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ می فرمود کہ روز قیامت اگر حضرت جل شانہ بصورت خواجہ قطب الدین کہ پیر من است تجلی خواہد کرد، خواہم دید، والّا نہ[24]۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن حضرت جل شانہ (خدا) اگر میرے پیر خواجہ قطب الدینؒ کی صورت میں جلوہ گر ہوگا تو میں دیدار باری کروں گا، ورنہ نہیں۔

اس سے اپنے شیخ کی عقیدت و محبت کا کمال ظاہر ہے۔ اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے بھی متعدد مواقع پر یہی لکھا ہے کہ تصوف کا اصل الاصول، محبت پر ہی ہے۔

کشکول میں ایک جگہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے اسمائے الٰہی میں سے ''علیم و سمیع و بصیر'' کا مراقبہ بتایا ہے جو حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی نے محبوب الٰہیؒ سے نقل کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ انھیں اپنے شیخ سے پہنچا ہو۔ وہ یہ ہے:

''نماز کے تشہد کی طرح بیٹھے اور ملاحظہ اسم علیم و سمیع و بصیر کا شیخ کی صورت کے ساتھ کرے اور ملازمت سب حال کی کرے اور جب اس میں استقامت ہو، اسی ہیئت پر بیٹھا رہے اور چشم باطن، دل کی طرف رکھے اور خیال کرے کہ حق سبحانہ جل شانہ کو دیکھتا ہوں اور نظر آسمان کی طرف رکھے۔ پھر آنکھیں کھول کر تصور کرے کہ میری روح قالب سے باہر ہوگئی اور آسمانوں سے گزر گئی اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوئی۔ اگر کسی کو اس کام میں استقامت ہو جاوے تو اس وقت ایک دھاگا سبز ظاہر ہوگا۔ ایک سرا اس کا ساتوں آسمان سے اوپر ہوگا اور دوسرا سالک کے دل میں ہوگا۔ اعلیٰ مرتبہ اس فکر کا یہی ہے اور مشائخ جو پوشیدہ شغول رکھتے ہیں، وہ یہی ہے۔ اول کو مراقبہ، دوسرے کو مشاہدہ، تیسرے کو معائنہ کہتے ہیں۔ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہ اللہ ان اشغال کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں[25]۔

خلاصۃ الفوائد: حضرت شیخ فخرالدین نظامی محب النبی رحمۃ اللہ علیہ (۲۷ جمادی الآخر ۱۱۹۹ھ) کے زمانے میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا۔ ان کے خلفاء میں حضرت میاں نور محمد مہاروی[26] رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کی توسیع و تبلیغ پنجاب میں کی۔ میاں نور محمد مہاروی کے ملفوظات قاضی محمد عمر حکیم نے

خلاصۃ الفوائد کے نام سے جمع کیے تھے، چنانچہ خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے:

''قاضی محمد عمر حکیم مرحوم چند ملفوظ آن حضرت آوردہ کہ دل را نظارت (نضارت؟) ودیدہ را بصارت ازاں حاصل میں شود۔''[۲۷]

چنانچہ اس کتاب سے متعدد اقتباسات تکملۃ سیر الاولیاء میں لیے گئے ہیں، مگر جہاں تک مجھے علم ہے خلاصۃ الفوائد ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور اس کے دو قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ذخیرۂ محمود شیرانی میں پائے جاتے ہیں۔ ایک ناقص قلمی نسخہ میرے پاس ہے۔ جس کی تکمیل دوسرے نسخوں کے دستیاب ہونے پر منحصر ہے۔ اس میں جا بجا حضرت شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمہ سے متعلق حوالے ملتے ہیں، ان کو یہاں اقتباس کیا جاتا ہے۔ یہ پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔

فرمودند کہ در لنگر حضرت شیخ فرید گنج شکر رضی اللہ عنہ میوہ وگل درختانِ شور وتلخ درویشاں رامی دادند۔ ہم دریں باب فرمودند کہ روزے دو شخص آمدہ درخدمت حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ عرض کردند کہ مارا بیک دیگر معاملۂ ہست، کسے را امر فرمایند کہ اظہار ماہر دو شنیدہ بانفصال آن پردازد۔ پس حضرت بابا صاحب شیخ نظام الدین وشیخ بدرالدین اسحاق را رضی اللہ عنہما حکم فرمودند کہ از ایشاں مدعائے ہر واحد شنیدہ بحسب شرع شریف انصرامی آن نمایند۔ پس ہر دو بزرگواراں کہ از خلفائے عظام و علمائے متبحر بودند بحسب امتثال امر شیخ خود معاملہ از ہر دو شنیدہ متعجب شدہ، باز بخدمت شیخ رسیدہ، معروض داشتند کہ ایشاں با یکدیگر نحوے گفتگو کردہ اند کہ از استماع آن در رقص وگریہ آمدہ ایم۔ پس شیخ قدس سرہ در جواب فرمود کہ ایں ہر دو فرشتہ بودند، برائے تعلیم شما آمدہ بودند، پس شمارا باید کہ فیما بین خود چنیں لطف ونرمی باوجود نزاع در معاملہ می کردہ باشید'' (خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

(دو درویشوں کا یہ واقعہ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں بھی نقل ہوا ہے۔ دوسرے مجموعوں میں بھی ملتا ہے۔)

(ترجمہ): (حضرت میاں نور محمد مہاروی نے) فرمایا کہ حضرت شیخ فرید گنج شکر رضی اللہ عنہ کے لنگر میں (خشک) میوہ اور کھاری اور کڑوے درختوں کے پھول (پیلو اور کریل) درویشوں کو دیے جاتے تھے۔ اسی ضمن میں یہ فرمایا کہ ایک دن حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں دو شخصوں نے آ کر عرض کیا کہ ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے۔ آپ کسی کو حکم دیجیے کہ ہم دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کردے۔ پس بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اور شیخ بدرالدین اسحٰق کو (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) حکم فرمایا کہ ان دونوں سے ان کا مدعا سن کر شرع کے مطابق طے کردو۔ دونوں بزرگوں نے جو (بابا صاحب کے) خلفائے عظام میں سے تھے اور شریعت کے عالم متبحر بھی تھے، اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کا جھگڑا دونوں شخصوں سے سنا اور تعجب کرتے ہوئے پھر شیخ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ انھوں نے آپس میں اس طرح بات چیت کی ہے کہ ہم پر اسے سن کر رقص اور گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شیخ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دونوں فرشتے تھے جو تمھیں تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ لہٰذا تمھیں بھی چاہیے کہ آپس کے جھگڑوں کو اس لطف ونرمی سے طے کیا کرو۔

فرمودند کہ حضرت محبوب الٰہی درخدمت حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بشرف بیعت از دہلی آمدہ بہرہ مند گردید، باز در دہلی رفت نزد بقالے کہ از وقرض برداشتہ بود پیشتر درادائے آں تہاون میں فرمودند ایں بار خود بخود درفتہ از عہدہ نصف آں خود را خلاص نمودند، بقال حیران گشتہ، از ان پرسید کہ چندیں روز کجا رفتہ بودی۔ فرمود در اجودھن، گفت از جائے اسلام آمدی تا ایں کار کردی۔ وپس ایں بیت فرمودند۔

سالکا اسلام گر آساں بدے ہر کسے چوں شبلی وادہم شدے

(خلاصۃ الفوائد قلمی)

(ترجمہ): فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی، حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دہلی سے آکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے، پھر دہلی گئے تو ایک بنیا تھا جس سے آپ نے قرض لے رکھا تھا اور اس کے ادا کرنے میں ڈھیل ہوتی رہتی تھی۔ اب آپ خود بخود اس کے پاس گئے اور آدھا قرض ادا کر دیا۔ بنیا حیران ہوا اور پوچھا کہ آپ اتنے دنوں سے کہاں تھے۔ فرمایا: اجودھن میں۔ کہنے لگا کہ ٹھیک ہے "اسلام" کے گھر سے آرہے ہو جبھی تو تم نے ایسا کیا۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا

(ترجمہ): اے سالک! اگر اسلام آسان بات ہوتی تو ہر شخص، خواجہ شبلی اور ابراہیم ادھم بن جایا کرتا۔

درکتابے این بے ہیچ نوشتہ دیدہ کہ حضرت باباصاحب شیخ فرید الملۃ والدین رضی اللہ عنہ دراول وقت قبل از بیعت پیرمی فرمودند برائے ملاقات درویشے کہ برسرکوہ بلند مکان خود کردہ وکنج گزیں از خلق شدہ بود رفت بعد از حکایات کہ فیما بین کردند فرمودند کہ دریں جا سبب روزی شما چیست؟ وبچہ وجہ می رسد۔ آن درویش ہم برآمد (کذا) فرمودند کہ این سنگ را بردار۔ وبر دیگرے بزن حضرت فرمودہ او بجا آورد۔ اتفاقاً ازاں میان کہ سنگ شکستہ شد کرمے یا برگ گیاہ سبز دردہان داشت برآمد۔ پس گفت دریں جا خدائے تعالیٰ ایں را روزی می رساند ومرانمی رساند۔ (خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

(ترجمہ): اس حقیر نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت بابا شیخ فرید الملۃ والدین رضی اللہ عنہ اپنے پیر سے بیعت ہونے سے پہلے کسی درویش سے ملنے گئے جس نے ایک اونچے پہاڑ پر اپنا گھر بنایا تھا اور خلق سے کنارہ کشی کر کے بیٹھ گیا تھا۔ آپ نے آپس کی بات چیت میں اس سے پوچھا کہ یہاں آپ کی روزی کا کیا ذریعہ ہے۔ اور وہ کس طرح پہنچتی ہے۔ اس درویش کو غصہ آگیا اور کہا کہ یہ پتھر جو سامنے پڑا ہے، اٹھاؤ اور اسے دوسرے پتھر پر مارو۔ حضرت نے اس کے کہنے کے مطابق کیا۔ اتفاقاً جیسے ہی وہ پتھر درمیان سے ٹوٹا ایک کیڑا جس کے منہ میں سبز گھاس کا تنکا تھا نکل آیا۔ اس فقیر نے کہا کہ جب یہاں خدا اس کیڑے کو روزی پہنچاتا ہے، تو کیا مجھے نہیں دے گا۔

(یہ واقعہ غالباً حضرت شیخ نورمحمد مہارویؒ کا ملفوظ نہیں ہے بلکہ قاضی محمد عمر حکیم جامع ملفوظات نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ یہ واقعہ راحت القلوب[28] میں ملتا ہے۔ اور اس کا درست ہونا بہت مشتبہ ہے۔)

حضرت من فرمودہ است کہ از اخلاق درویشاں است اگر کسے را اذیت ودرد رسد اور مثل او درد میں رسد چنانچہ درویشے درخدمت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ نشتہ بود از خادم ایشاں حرکتے صادر شد کہ درنظر سلطان صاحب ناپسند آمد بدن او را بہ سوط مولم کردند پس دران ساعت آں درویش را مانند آں بر بدن مبارک اثر ضرب ظاہر شد۔ پس فرمودند ایں معنی از امر غلبہ وحدت وجود میں باشد ازاں کہ نزد ایشاں وجود واحد است وایں کثرت وہمی کہ نمودار است از شیونات وصفات آں متصور است۔

(خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

(ترجمہ): میرے حضرت نے فرمایا ہے کہ درویشوں کا اخلاق یہ ہے کہ جب کسی کو درد واذیت پہنچتی ہے تو انھیں بھی اس کی جیسی ہی تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ ایک درویش سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا، ان کے خادم سے ایک ایسی حرکت صادر ہوئی جو سلطان صاحب کو ناپسند ہوئی اور اس شخص کے جسم پر کوڑے لگائے گئے۔ اس وقت اس درویش کے بدن مبارک پر بھی اس چوٹ کا اثر ظاہر ہوا۔ پھر آپ نے (حضرت مہاروی نے) فرمایا کہ ایسا وحدت الوجود کے غلبہ سے ہوتا ہے

کیونکہ ان کے نزدیک وجود ایک ہی ہے اور یہ کثرت (جونظر آتی ہے) وہمی ہے، یہ اسی وجود کی صفات اور مختلف تجلیات کی کثرت ہے۔

فرمودند کہ شخصے راز اولاد بابا صاحب قدس سرہ در وقت مطالعہ کتاب تشنگی غالب آمد، نزد وے یک آوند پُر از روغن زرد موجود بود، آں را آب تصور یدہ بکار بردند از کمال اشتغال مطالعہ ہیچ امتیاز نہ فرمودند۔ (خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

(ترجمہ): فرمایا کہ بابا صاحب قدس سرہ کی اولاد میں سے کسی کو کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے پیاس لگی۔ ان کے پاس گھی سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا اسے پانی سمجھ کر پی گئے اور مطالعہ میں محویت کی وجہ سے کوئی تمیز نہ کر سکے۔

فرمودند کہ سالک را باید لیل ونہار علی الدوام در تقویٰ وزہد وورع کوشش بلیغ کند تا حق تعالیٰ او را مرتبہ بیخودی نصیب گرداند کہ اہم مطالب است، چنانچہ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ فرمودہ است از خود رستن وبحق پیوستن۔ (خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

(ترجمہ): فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ رات دن ہمیشہ تقویٰ، زہد اور پرہیز گاری میں کوشش کرے تا کہ اسے بے خودی کا مرتبہ حق تعالیٰ نصیب کرے جو سب سے بڑا مطلب ہے جیسا کہ بابا فرید گنج شکر قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ''خود سے چھوٹو تو حق سے ملو۔''

ونیز قبلۂ من فرمودہ است سالک را باید کہ از سہ چیز خود را دور دارد، یکے حکم قضا کردن، دوم ضامن کسے شدن، سوم امانت کسے نزد خود نگاہداشتن از آنکہ این وصیت از پیران ما بمریدان خود جاری شدہ آمدہ است وہم فرمودند۔ چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر بہ شیخ نظام الدین دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصیت فرمودہ است چوں مہمانان ومسافراں بر تو آیند وترا فاقہ باشد، شکر خدا تعالیٰ بجا آری کہ ایں نعمتے است، بس عظیم وفرمودند کہ چنیں شیخ بمرید کامل می فرماید۔
(خلاصہ الفوائد۔ قلمی)

(ترجمہ): اور نیز ہمارے قبلہ (حضرت مہارویؒ) نے فرمایا ہے کہ سالک کو چاہیے کہ تین چیزوں سے خود کو بچائے، ایک تو قضا کا حکم کرنا، دوسرے کسی کی ضمانت دینا، تیسرے کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا۔ اس لیے کہ یہ ہمارے پیروں کی وصیت اپنے مریدوں کے لیے جاری ہوتی آئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر نے شیخ نظام الدین دہلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو وصیت فرمائی تھی کہ جب تمہارے پاس مہمان اور مسافر آئیں اور تمہیں فاقہ ہو تو خدا کا شکر ادا کرنا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور فرمایا کہ یہ ایک شیخ نے ایک مرید کامل سے فرمایا ہے۔
(خلاصۃ الفوائد۔ قلمی)

انوار الصفی: انوار الصفی فی اظہار اسرار الجلی والخفی حکیم حسین علی خاں ردولوی[29] کی تالیف ہے اور اس کتاب میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی[30] (ف۔ ۹۴۴ھ) کے دادا حضرت شیخ صفی الدین ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات جمع ہوئے ہیں۔[31]

(ترجمہ): حضرت شاہ صفی الدین ردولوی (ف ۸۱۹ھ) حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی (کچھوچھہ) سے خلافت رکھتے تھے اور سید اشرف سمنانیؒ کو حضرت خواجہ علاء الحق بنگالی سے اور انھیں مخدوم اخی سراج سے خلافت حاصل تھی جنھوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت بنگال، اڑیسہ اور آسام میں کی۔ بلکہ وہیں سے یہ سلسلہ مشرق بعید اور چین تک پہنچا تھا۔

حضرت شاہ صفی الدین کے صاحبزادے مخدوم محمد اسمٰعیل ہوئے، ان کے صاحبزادے حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ ہیں۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

شجرۂ نسب حضرت مخدوم صفی الدین ردولوی

شیخ نظام الدین
↓
شیخ نصیر الدین
↓
شیخ صفی الدین ردولوی — قاضی رضی الدین (قاضی ردولوی)

شیخ صفی الدین ردولوی
↓
شیخ محمد اسمٰعیل
↓
شیخ عبدالصمد (اسوئو) — شیخ عزیز اللہ — شیخ عبدالقدوس گنگوہی (گنگوہ) — شیخ حبیب اللہ عرف شیخ مٹھن (بھٹورہ)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (گنگوہ)
↓
حضرت شیخ رکن الدین (مؤلف: لطائف قدوسی)

شیخ عبدالصمد (اسوئو) شیخ عزیز اللہ، شیخ عبدالقدوس گنگوہی (گنگوہ) شیخ حبیب اللہ عرف شیخ مٹھن (بھٹورہ)

حضرت شیخ رکن الدین (مولف: لطائف قدوسی)

انوار المصفی میں اختصار کے باوجود فن سلوک کی بہت قابل قدر معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً مخدوم صفی الدین نے ایک بار فرمایا کہ درویش اپنی خلافت کے ساتھ عصا اور خرقہ و نعلین چوبیں وغیرہ کیوں عطا فرماتے تھے[۳۲]۔

مصلا: استقامت طاعت و عبادت کی نشانی ہے۔

تسبیح: جمعیت خاطر پر دلالت کرتی ہے۔

شانہ: دفع شر کے لیے اور نشان خیر ہے۔

عصا: اس پر دلالت کرتا ہے کہ واحد حقیقی پر تکیہ کرنا چاہیے۔

مقراض: قطع علائق اور امیدوں کے اختصار کی نشانی ہے۔

سوزن: پیوند کرنے کے لیے ہے، مگر سوئی بغیر دھاگے کے نہیں دیجاتی

صراحی اور کاسہ: مہمانوں کو کھلانے پلانے کی دلالت ہے۔

نمکدان وطشت: اس کی علامت ہے کہ سفرہ (لنگر) حوالے کیا گیا۔

کفش و نعلین: ثبات قدم کی دلیل ہے۔

اسی طرح ایک صحبت میں فرمایا کہ انسان (طالب خدا) اور خدا کے درمیان چار حجاب ہوتے ہیں۔

دنیا، خلق، نفس اور شیطان ۔ پھر ان کی تشریح یوں فرمائی:[۳۳]

دنیا آخرت کا حجاب ہے۔ خلق عبادت کا حجاب ہے شیطان دین کا حجاب ہے اور نفس خدا کا حجاب ہے۔

ایک بار فرمایا کہ سالک کا علم بارہ طریق (مدارج) رکھتا ہے۔

علم معرفت۔ علم طاعت۔ علم مکاشفہ۔ علم مشاہدہ۔ علم خطاب۔ علم سماع۔ علم وجد۔ علم معرفتِ روح۔ علم معرفتِ نفس۔

علم معرفت عقل۔ علم توحید اور علم معاملت[۳۴]۔

یعنی مدارج سلوک کے آخری مرحلے میں توحید کا ذوق حاصل ہوتا ہے اور تکمیل سلوک کے بعد حسنِ معاملت یا خلق، جیسے ''تخلقوا باخلاق الله'' (اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کہا گیا ہے۔

انوار المصفیٰ کے باب ششم میں ہے کہ ایک روز حضرت شیخ صفی الدین ردولویؒ، حضرت شیخ داؤد پالا ہی[۳۵] خلیفہ حضرت گنج شکرؒ کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان کا مزار موضع پالہی مئو میں ہے جو ردولی سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ راستے میں دریائے گھاگھرا کے کنارے سید درویش قاضی سے ملاقات ہوئی اور بعد کو ان کی دختر سے آپ نے عقد کر لیا جن کے بطن سے شیخ محمد اسمٰعیل ۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ کو پیدا ہوئے۔

انوار المصفیٰ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا حوالہ متعدد بار آیا ہے۔ ایک موقع پر حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے مکتوب کا اقتباس ہے:

درمقالے کہ اصحاب ولایت عمرے گزرانیدہ اند اثریست کلی و در مرامے کہ ارباب نہایت بہم دیگر سرائیدہ اند قدرے است اصلی...... باید کہ گاہ گاہے در حجرۂ متبرکہ کلمہ منورہ حضرت در دریائے توحید و جوہر معاون تفرید گنج شکرؒ فرید قدس اللہ روحہ ہم صحبت محرمانہ دارند و در یک دیگر مکالمہ دوستانہ آرند کہ آن جائے بسیار بہ فیض آباد و مہبط انوار الٰہی و منزل انوار نامتناہی است۔ زنہار زنہار این دولت از دست ندہند و دولت زیارت و طوف مرقد منورہ حضرت شیخ داؤد کہ قریب افتادہ است گاہ گاہے بآں دولت بہرہ مند شوند۔ آن جا دو دولت اند یکے مقبرۂ حضرت داؤد کہ درو ے آثار فیوضات الٰہی و اطوار واردات نامتناہی زیادہ می نماید دوم مقدم شریف حضرت گنج شکر قدس اللہ روحہ در مسجد کہ پہلوئے روضۂ متبرکہ ایشاں افتادہ است بسیار نزول فرمودہ اند......

(ترجمہ): جن مقامات میں اصحاب ولایت نے عمریں گزاری ہیں ان میں پوری تاثیر ہے اور جس جگہ اہل کمال نے ایک دوسرے سے ملاقات کی ہے ان کی قدر و قیمت ہے۔ واقعی تمہیں چاہیے کہ دریائے توحید کے موتی اور کان تفرید کے جوہر حضرت شیخ فرید گنج شکر قدس اللہ روحہ کی مبارک کٹیا میں بھی صحبت محرمانہ رکھو اور باہم دوستانہ بات چیت کرو۔ کیونکہ وہ ایسی جگہ ہے جو فیض سے آباد ہے اور اللہ کے انوار لامتناہی وہاں نازل ہوتے ہیں...... خبردار خبردار اس دولت کو ہرگز ہاتھ سے نہ دینا اور شیخ داؤد کا مرقد منورہ جو قریب ہی میں واقع ہے اس کی نعمت سے بھی کبھی کبھی بہرہ مند، ہوتے رہو۔ وہاں دو نعمتیں ہیں۔ ایک تو یہی حضرت داؤد کا مقبرہ جس میں فیوض الٰہی کے بے پایاں آثار ہیں اور بے کراں واردات آتی ہیں۔ دوسرے حضرت گنج شکر قدس اللہ روحہ کے قیام فرمانے کی جگہ جو ان شیخ داؤد کے روضہ متبرکہ کے قریب کی مسجد میں ہے اور جہاں آپ (بابا فرید) نے بہت نزول فرمایا ہے۔

اس کتاب کے دوسرے اقتباسات، جن میں حضرت بابا صاحبؒ کا حوالہ ہے، یہ ہیں:

(۱) حضرت صاحب بعد مرور ایام از جونپور بہ اودھ تشریف آورند، درآن جا باعلمائے شہر ملاقی شدہ۔ فاضلے از اں جماعت برزبان راند کہ باباصفی الدین می دانید کہ از اولیائے کرام بعد ممات کرا تصرف باقیست؟ جوابش فرمودند کہ روزے از روزہائے حضوری آستانہ مقدس حضرت پیر دستگیر خود ایں مسئلہ عرض کردہ بودم۔ ارشاد شدہ بود کہ اولیاء اللہ کہ پنج کس در قبور خود مانند احیاء تصرف می کنند حضرت عبدالقادر جیلانیؒ و حضرت شیخ معروف کرخی و حضرت شیخ محی الدین ابن عربی و حضرت شیخ عقیل مسیحی و حضرت شیخ جرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آں وقت عرض کردم کہ ایں تصرف مشائخاں ولایت است از مشائخ ہند

کیست؟ فرمودند کہ تعین ایں مراتب خالی از بے ادبی نیست اما بیشترے از خاندان چشت را باقیست بالتخصیص حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین رضی اللہ عنہ وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی وحضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر وحضرت سلطان نظام الدین محمد اولیاء بدایونی وحضرت مخدوم الانام علاء الحق والدین بنگالی رضوان اللہ علیہم[۳۶]۔

(ترجمہ): حضرت (شیخ صفی الدین ردولویؒ) کچھ مدت کے بعد جونپور سے اودھ تشریف لائے اور وہاں شہر کے عالموں سے ملاقات کی۔ اس جماعت علماء میں سے ایک نے کہا کہ بابا صفی الدین کیا آپ جانتے ہیں کہ اولیائے کرام میں سے مرنے کے بعد کس کس کا (روحانی) تصرف باقی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جن دنوں اپنے پیر دستگیر (حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) کے آستانہ مقدس پر حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے بھی اپنے پیرو مرشد کے سامنے یہ مسئلہ عرض کیا تھا اورانھوں نے فرمایا تھا کہ اولیاء اللہ میں پانچ ہستیاں ایسی ہیں جن کا زندوں کی طرح تصرف جاری ہے۔ یعنی حضرت عبدالقادر جیلانی۔ حضرت شیخ معروف کرخی، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت شیخ عقیل میسجی اور حضرت شیخ جرانی (اللہ ان سب سے راضی ہو)۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یہ تو (باہر کی) ولایتوں کے مشائخ کا تصرف ہوا۔ ہندوستان کے مشائخ میں ایسے کون بزرگ ہیں۔ فرمایا کہ ان مراتب کا تعین کرنا بے ادبی سے خالی نہیں ہے۔ مگر خاندان چشتیہ میں سے بہتوں کا تصرف باقی ہے۔ خاص طور سے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر اور حضرت سلطان نظام الدین محمد اولیاء بدایونی اور حضرت مخدوم الانام علاء الحق والدین بنگالی (اللہ ان سب سے راضی ہو)۔

(۲) یکے را از متعلمان استفسار کرد کہ حدود ولایت ہر یک اولیاء اللہ معین است یا نہ۔ ارشاد شد کہ در ملفوظات حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دیدہ ام کہ عبداللہ نامی قوال بخدمت حضرت گنج شکر حاضر شد۔ بعد چند روز رخصت طلبید کہ باز بہ ملتان رود۔ درخواست فاتحہ خیریت کرد کہ در راہ ملتان خوف قطاع الطریقان بود۔ حضرت گنج شکر فرمودند کہ تا موضع فلاں تعلق (بما) دارد و از فلاں حوض سرحد شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ است تعلق بادشاں دارد۔ القصہ قوال مذکور بداں حوض رسید کہ از آں جا سرحد ملتان بود و تعلق بہ شیخ الاسلام داشت، از جانب حوض قطاع الطریقان باشمشیر ہائے برہنہ نمودار شدن۔ آن وقت قوال را فرمودۂ حضرت گنج شکر یاد آمد، درخواست مدد از بہاء الدین زکریا کرد کہ ایں زمین در ذمہ ضمانت شماہست۔ ہماں زماں بہ فرمان اللہ تعالیٰ دز واں کہ نمودار شدہ بودند، غائب شدند۔ بعد چند روز عبداللہ قوال بملتان رسید و از قدم بوسی حضرت شیخ بہاء الدین مشرف گشت۔ از یں واضح می شود کہ حدود ولایت ہر یک اولیاء اللہ مقرر است۔ ہم چنیں حکایتے دیگر حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرسودند کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رضی اللہ عنہ در شہر ملتان در مسجدے نزول فرمودند۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ را بنور ولایت وفراست دریافتہ خادم را نزد خواجہ صاحب فرستادند و بر محافہ سوار کردند در خانقاہ خود آوردند و در ضیافت باقصیٰ غایت کوشیدند۔ بعد از سہ روز حضرت خواجہ فرمودند کہ دعوت بے نمک است۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دانستند کہ جہت سماع می گویند۔ قوالاں را امر کردند وحضرت خواجہ واصحاب ایشاں را در خانقاہ آوردند وخود چوبے گرفتہ بہ دربانی بر در خانقاہ ایستادند۔ قوالاں بہ غنا پرداختند خواجہ را حالتے در گرفت کہ بہ در و دیوار تاثیرش سرایت کرد۔ اصحاب ومتعلقان شیخ بہاء الدین زکریا عرض کردند کہ در خانقاہ شیخ خلاف شرع می شود، چوگونہ جائز داشتند۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا فرمودند کہ ایشایاں عجب دیوانہ ہستند ، نمی بینند کہ دربانی کسے کہ ہم چو بہاء الدین می کند۔ متعلقان مبالغہ کردند۔ شیخ فرمودند کہ اگر توانید بر دید و در خانقاہ منع کنید آنہا در مجلس خواجہ رفتند و در سماع در آمدند چناں ذوقے و نعمتے در ایشاں افتاد کہ ہرگز ندیدہ بودند، چوں تنزل حال شد ایشایاں عرض کردند کہ در سلسلہ ارادت آرند۔ خواجہ فرمودند کہ ایں ولایت برادرم بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ در خانوادہ سہر وردیہ است، اینجا مرید کردن وخلافت دادن۔ مرانمی باید چوں حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ در قصبہ ہانسی رسیدند جماعتے را کہ ہمراہ آمدہ بودند در قید ارادت آوردند وفرمودند کہ ایں سرحد ولایت سہر وردو چشت است۔ ازاں روشمایاں تکلیف دادہ بودم۔ پس ازیں معلوم شد کہ تا قصبہ ہانسی سرحد ولایت چشت است [۳۷]۔

(ترجمہ): طالب علموں میں سے ایک نے پوچھا کہ اولیاء اللہ میں بھی ولایت کی سرحدیں مقرر ہوتی ہیں یا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں میں نے دیکھا ہے کہ عبداللہ نامی قوال حضرت گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا، چند روز کے بعد رخصت طلب کی تا کہ پھر ملتان جائے اور خیریت کے لیے فاتحہ پڑھنے کی درخواست کی کیونکہ ملتان کے رستے میں بٹ ماروں کا خوف بہت تھا۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فلاں گاؤں تک ہم سے متعلق ہے اور فلاں حوض سے شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی سرحد ہے وہ علاقہ ان سے متعلق ہے۔ القصہ جب یہ قوال اس حوض پر پہنچا کہ جہاں سے ملتان کی سرحد شروع ہوتی تھی اور جو شیخ الاسلام کی ولایت میں تھا، حوض کے ایک جانب سے لٹیرے ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے نکل آئے۔ اس وقت قوال کو حضرت گنج شکر کا فرمانا یاد آیا اور شیخ بہاء الدین سے مدد کی درخواست کی کہ یہ زمین آپ کی ضمانت میں ہے۔ اسی وقت اللہ کے حکم سے وہ لٹیرے جو نکل کر آئے تھے، کہیں غائب ہو گئے۔ چند روز کے بعد عبداللہ قوال ملتان پہنچا اور حضرت شیخ بہاء الدین کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔

(اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک اولیاء اللہ کی سرحدیں (ولایت کی) مقرر ہیں۔)

(ترجمہ): اسی طرح دوسری حکایت۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ [۳۸] فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رضی اللہ عنہ ملتان شہر کی ایک مسجد میں نازل ہوئے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کو ولایت کے نور (کشف) سے اُن کے ورود کا حال معلوم ہو گیا۔ اپنے خادم کو خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور انھیں پالکی میں سوار کر کے اپنی خانقاہ میں لے آئے۔ اور ان کی مہمان داری میں حد درجہ کوشش کی۔ تین دن کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ دعوت بے نمک رہی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ آپ سماع کے لیے فرما رہے ہیں۔ قوالوں کو حکم دیا اور حضرت خواجہ اور آپ کے ساتھیوں کو خانقاہ کے اندر بٹھایا، خود ایک لاٹھی لے کر دربانی کرنے کے لیے خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ قوالوں نے گانا شروع کیا۔ خواجہ کو کیفیت ہو گئی حتی کہ اس کی تاثیر در و دیوار میں سرایت کر گئی۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے اصحاب اور متعلقین نے عرض کیا کہ شیخ کی خانقاہ میں خلاف شرع کام ہو رہا ہے۔ اسے آپ نے کس طرح گوارا کر لیا۔ حضرت شیخ زکریا نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی عجب دیوانے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کون شخص ہے جس کی دربانی بہاء الدین جیسا شخص کر رہا ہے۔ مگر متعلقین نے اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو جاؤ اور خانقاہ کے اندر جا کر روک دو۔ وہ لوگ خواجہ کی مجلس میں گئے اور خود بھی سماع میں شریک ہو گئے۔ انھیں ایسا ذوق اور نعمت حاصل ہوئی کہ اس سے پہلے ہرگز نہیں دیکھی تھی۔ جب حال کی کیفیت میں تنزل ہوا تو انھوں نے درخواست کی کہ ہمیں مرید کر لیجیے۔ خواجہ نے

فرمایا کہ یہ میرے بھائی بہاء الدین زکریا کی ولایت ہے اور خاندان سہروردیہ کی ہے۔ یہاں مرید کرنا یا خلافت دینا میرے لیے مناسب نہیں ہے۔ جب حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ قصبہ ہانسی میں آئے تو وہ جماعت بھی آپ کے ساتھ آئی تھی، وہاں آ کر ان کو مرید کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ (ہانسی) سہروردا اور چشت کی ولایتوں کی سرحد ہے، اس لیے تمہیں یہاں تک تکلیف دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصبہ ہانسی تک ولایت چشت کی سرحد ہے۔

(۳) روزے حضرت صاحب در مجمع یاراں بخانہ مولانا کریم الدین رونق دہ بزم بودند، دراں میاں ذکر سماع افتاد، مولانا سماء الدین خلیفہ حضرت قدوۃ الکبریٰ رحمہم اللہ استفسار فرمودند، حضرت صاحب ارشاد کردن کہ بحضور قدوۃ الکبریٰ ایں مسئلہ در بحث آمدہ بود، صورتش اینست کہ ہر مسئلہ کہ مختلف فیہ است در حلت وحرمت دراو دلیرانہ دم نزنند، ازاں جملہ مسئلہ سماع است کہ مطلقاً وے را حرام وحلال نتواں گفت بغیر قیدے۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ فرمودہ اند کہ سماع علی الاطلاق نہ حلال است ونہ حرام، تانداند کہ سماع چیست ومستمع کیست وایں سریست از اسرار الٰہی ونوریست از انوار نامتناہی تا کدام سعادت مند بود کہ دل وے مطلع خورشید سماع وجان وے مشرف ناہید استماع بود: بیت

عشق درپردہ می بوا سازد عاشقے کو کہ بشنود آواز
ہمہ عالم صدائے نغمہ اوست کہ شنید ایں چنیں صدائے راز

عالمِ جاں باز وعارف محرم راز باید کہ گوش بر سماع کند۔

لانّ السماع امر خفی ونور جلی وسرّ لم یطلع علیہ الاالمحققون الراسخون الربانیون الواصلون العارفون باللہ ولھم الذوق ابتداء والرب انتہاءً۔

(ترجمہ): ایک روز حضرت (شیخ صفی الدینؒ) مولانا کریم الدین کے مکان پر احباب کی محفل میں رونق افروز تھے۔ اس وقت سماع کا ذکر چھڑ گیا۔ مولانا سماء الدین خلیفہ حضرت قدوۃ الکبریٰ (اللہ ان پر رحمت کرے) نے سوال کیا، حضرت صاحب نے فرمایا کہ حضور قدوۃ الکبریٰ (سید اشرف جہانگیر سمنانی) کی خدمت میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو مسئلہ اختلافی ہے اس کے حرام یا حلال ہونے پر دلیری سے زبان نہیں کھولنی چاہیے۔ چنانچہ مسئلہ سماع بھی انھیں میں سے ہے کہ اسے نہ مطلق حلال کہہ سکتے ہیں نہ مطلق حرام، مگر یہ کہ مشروط کیا جائے۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ سماع نہ مطلق حلال ہے نہ مطلق حرام ہے، جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ سماع کیا ہے اور سننے والا کون ہے۔ اور یہ کہ ایک بھید ہے اللہ کے اسرار میں سے ایک نور ہے اللہ کے پایاں انوار میں سے۔ کون سعادت مند ایسا ہوگا جس کا دل سماع کے خورشید کا مطلع بنے اور جس کی جان سے سماع کا ستارہ (ناہید) طلوع ہو۔ شعر

عشق ساز کے پردے میں نوازن ہے
کوئی عاشق کہاں ہے جو یہ آواز سمجھے
تمام عالم اس کے نغمے کی آواز ہے
اس صدائے راز کو سننے والا کون ہے

جاں باز عالم اور رازوں کے محرم کو سماع سننا چاہیے کیونکہ سماع ایک امر خفی ہے، ایک نور جلی ہے اور ایک بھید ہے جس سے اہل تحقیق، راسخ العقیدہ، اہل اللہ واصلین اور عارفین ہی واقف ہو سکتے ہیں ان کو ابتداء میں ذوق ملتا ہے اور انتہا میں رب کا وصال۔

وحضرت سلطان المشائخ فرمودند کہ سماع بر چہار قسم است یکے حلال کہ شنوندہ را تمام میل بجانب حق باشد وسوے مجاز ہیچ میش نبود دوم مباح کہ جانب حق میل او زیادہ باشد وجانب مجاز کم۔ سوم مکروہ کہ میل او سوئے مجاز بسیار باشد از حق۔ چہارم حرام کہ میل او جانب مجاز کلیۃً بود اصلا بسوے حقیقت نہ پروازد[۳۹]۔"

(ترجمہ): اور حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع کی چار

قسمیں ہیں۔ایک حلال ہے جس سے سننے والے کا میلان تمام تر جانب حق ہوتا ہے اور مجاز کی طرف قطعاً نہیں ہوتا۔دوسرے مباح ہے جس میں جانب حق میل زیادہ ہو اور جانب مجاز کم ہو۔ تیسرے مکروہ ہے جس میں مجاز کی طرف میل زیادہ اور حق کی طرف کم ہو۔چوتھے حرام ہے جس میں تمام میلان مجاز کی طرف ہو اور حق کی طرف قطعاً نہ ہو۔

(۴) حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ می فرمایند کہ شرط سماع آنست کہ دراں سہ چیز نگاہدارد۔مکان واخوان وزمان۔مکان باید کہ بقعہ مشائخ با موضعے پاکیزہ وکشادہ وروشن باشد، واخوان باید کہ یاران ودرویشان اہل تمیز وصحبت باشند، وزماں باید کہ دل از کلی اشغال خالی بود، وآداب سماع آنست کہ در سماع تا ذوقے نیابی نکنی [۴۲]......

(ترجمہ): حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع کی شرط یہ ہے کہ اس میں تین باتوں کا لحاظ رکھے۔مکان، اخوان اور زمان۔مکان تو مشائخ کا حجرہ ہو پاکیزہ، کشادہ اور روشن جگہ پر، اور اخوان میں دوست اور درویش اہل تمیز ولائق صحبت ہوں، اور زمان یہ کہ دل تمام اشغال سے خالی ہو۔اور آداب سماع یہ ہیں کہ جب تک سماع میں ذوق نہ پاؤ، نہ کرو۔

بندگی اسمٰعیل استفسار کردند کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ برائے زیارت مزار شیخ صلاح سہروردی وشیخ صلاح صوفی کہ در قصبہ ردولی آسودہ اند بجناب تاکید می فرمانید۔کیفیت ایں بزرگواراں رحمہم اللہ انچہ معلوم باشد بیان فرمودہ آید۔ارشاد شد کہ شیخ صلاح صوفی در زمان سلطنت سلطان علاء الدین خلجی از دیار کرمان بہ ہندوستان رسید، عارف صاحب اسرار بود، خرقہ خلافت از سلسلہ بند کلان خود شاہ شجاع کرمانی داشت وشیخ صلاح صوفی محض محبت شیخ صلاح سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کہ صاحب ولایت ایں قصبہ ردولی بردہ وشیخ داؤد خلیفہ حضرت مخدوم فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم کہ در موضوع پالھی مئوسہ کردہ غرب ردولی آسودہ اند توطن ردولی اختیار نمودہ بودند......

(ترجمہ): بندگی اسماعیل (فرزند شیخ صفی الدین ردولوی) نے استفسار کیا کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ شیخ صلاح سہروردی اور شیخ صلاح صوفی کے مزارات کی زیارت کے لیے جو ردولی میں آسودہ ہیں، جناب کو تاکید فرماتے ہیں، ان بزرگواروں کی کیفیت جیسا کہ معلوم ہو، بیان فرمایئے۔ارشاد ہوا کہ شیخ صلاح صوفی تو سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں کرمان سے ہندوستان آئے تھے۔یہ صاحب اسرار عارف تھے اور انھیں خرقہ خلافت اپنے بڑے بھائی شیخ شجاع کرمانی سے ملا تھا اور شیخ صلاح صوفی صرف شیخ صلاح سہروردی سے محبت رکھتے تھے جو صاحب ولایت قصبہ ردولی میں اور شیخ داؤد خلیفہ حضرت مخدوم فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جو پالھی مئوگاؤں میں ردولی سے مغرب کی طرف تین کوس پر آسودہ ہیں، انھوں نے ردولی میں توطن اختیار کیا تھا............

روزے حضرت صاحبؒ برائے زیارت مزار فائض الانوار شیخ داؤد خلیفہ حضرت فریدالدین گنج شکر رضوان اللہ تعالیٰ علیہما بہ موضع پالھی مئو کہ دو کروہ مغرب از ردولی واقع است تشریف بردند۔دراں جا از اتفاقات وقت از سید درویش قاضی قصبہ کویلا در کہ جناب شمال از ردولی چہار فرسنگ وکنار دریاے گھاگھر دست ملاقات حاصل گشتہ۔قاضی صاحب بدریافت حالات علم وزہد وتقویٰ وتجرد حضرت صاحب از یاران ہمراہی حضرت صاحب مشورہ کردند کہ دخترے دارم با صاحب عصمت وعفت اگر با چنیں شخص صورت از دواج بندد ایں مناسب خواہد بود۔یاران حضرت باشارہ قاضی صاحب این سخن بآں حضرت رسانیدند۔حضرت صاحب را اگر چہ خاطر از دنیا واہل دنیا سرد بود و طبیعت جانب تفرد مائل۔اما بحکم کمال اتباع سنت سنیہ نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم کہ النکاح سنتی وار دست، ایں امر را منظور فرمودہ۔ بہ قصبہ کویلا درتشریف بردند واداے سنت فرمودہ با اہلیہ خود بردولی قدوم آوردند......" بعد چندے فرزند ارجمند...... محمد اسمٰعیل بتاریخ دوازدہم ربیع الثانی سنۃ ہفت صد وہشیادونہ ہجری متولد شدند......"[۴۱]۔

ایک دن حضرت صاحبؒ حضرت شیخ داؤد خلیفہ حضرت فریدالدین گنج شکر رضوان اللہ تعالیٰ علیہما کے مزار فائض الانوار کی زیارت کے لیے پالہی مئو تشریف لے گئے جو ردولی سے جانب غرب دوکوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں اتفاق سے سید درویش سے ملاقات ہوئی جو قصبہ کویلا در کے قاضی تھے جو ردولی سے چار فرسنگ کے فاصلے پر جانب شمال ہے اور دریائے گھاگھرا کے کنارے ہے۔

قاضی صاحب نے ان کے حالات جان کر اور علم وزہد اور تقویٰ وتجرد وغیرہ کا حال دیکھ کر حضرت کے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ میری ایک لڑکی ہے بہت پاکیزہ اور صاحب عفت، اگر ایسے شخص سے اس کا عقد ہوجائے تو مناسب ہوگا۔ حضرت کے ساتھیوں نے قاضی صاحب کے اشارے سے یہ بات حضرت تک پہنچادی۔ حضرت صاحب کا دل اگرچہ دنیا اور اہل دنیا سے سرد ہو چکا تھا اور طبیعت تفرد کی طرف مائل تھی مگر کمال اتباع سنت کے زیر اثر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: نکاح میری سنت ہے۔ اس بات کو منظور فرمالیا اور قصبہ کویلا در تشریف لے گئے اور اس سنت کو ادا فرما کر اپنی اہلیہ کے ساتھ ردولی تشریف لائے...... کچھ زمانے کے بعد فرزند ارجمند...... محمد اسمٰعیل ۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ کو پیدا ہوئے۔

......اے فرزند شندہ ام کہ روزے حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والدین محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ می فرمودند کہ طالب صادق تا راہ نرود بمنزل مقصود نرسد واگر کسے خواہد تا نشستہ باشد بمنزل رسیدن نتواند۔ مجاہد شرط است۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وفرمود حاصل از مجاہدہ جذب القلوب الی غیر اللہ والاستغراق فی طاعۃ اللہ یعنی مجاہدہ گردانیدن دل است از غیر خدا بسوے استغراق در طاعت خدا، ونیز سلطان المشائخ فرمودہ اند کہ صوفیاں ریاضت ہائے قوی کردہ اند وشہوت ہا از پیش برگرفتہ ومدتے مدید در خلوتہا نشستہ ودل بکلمہ لا الہ الا اللہ پرساختہ اند......[۴۲]۔

......اے فرزند میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والدین محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب صادق جب تک راستہ (مقامات سلوک کا) نہ چلے گا منزل کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر کوئی یہ چاہے کہ بیٹھا رہے تو منزل کو نہیں پہنچے گا۔ مجاہدہ شرط ہے۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں اپنے وصال کے راستے دکھادیتے ہیں۔ (قرآن) اور فرمایا کہ مجاہدہ کا حاصل یہ ہے کہ دل غیر اللہ سے کھنچے اور اللہ کی عبادت میں استغراق پیدا ہو اور سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صوفیوں نے بہت زبردست ریاضتیں کی ہیں اور اپنی خواہشات کو سامنے سے ہٹادیا ہے اور مدتوں تک خلوت میں بیٹھے ہیں اور دل کو کلمہ لا الہ الا اللہ سے مملو کیا ہے۔

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو: تکملہ سیر الاولیاء: ۴۹۔۵۳

۲۔ حضرت شیخ محمد چشتی کے خلیفہ اعظم شیخ یحییٰ مدنی تھے جن سے اجازت وخلافت حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (ف ۱۱۴۲ھ) کو حاصل تھی (دیکھو مکتوبات کلیمی۔ مطبع یوسفی دہلی طبع ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸ء صفحات ۴۔۵)

۳۔ ملک فضل الدین وغیرہ تاجران کتب قومی۔ بازار کشمیری۔ لاہور، سنہ ندارد

۴۔ مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ

۵۔ مثلاً: تکملہ سیر الاولیاء صفحات: ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۵ وغیرہ

۶۔ تکملہ سیر الاولیاء: ۳۲

۷۔ یہ شجرہ مجالسِ حسنہ کے بیانات کی مدد سے بنایا گیا ہے اور اس میں سب نام شامل نہیں کیے ہیں۔

۸۔ یہ خود بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ تفسیر محمدی، تقسیم الاداد، حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ قوت القلوب حاشیہ شرح مطالع اور حاشیہ نزہت الارواح۔ ان کی تصانیف ہیں (برکات اولیا۔ افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ، ص ۵۱)

۹۔ فہرست مخطوطات شیرانی ۲/ ۱۹۸ (طبع لاہور) ۱۹۶۵ء

۱۰۔ مجالس حسنہ: ص ۱۶۔ اور غالباً اسی نزہتہ الارواح کی شرح شیخ حسن محمد چشتی نے لکھی تھی۔ اصل کتاب حسین بن عالم ابی الحسن حسینی کی تصنیف ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتاب خانوں میں مل جاتے ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کے تین نسخے موجود ہیں۔

۱۱۔ فوائد الفواد: ۲۲۲۔۲۲۱ ۱۲۔ دیکھو: درر نظامیہ: سیر الاولیا

۱۳۔ مجالس الحسنہ میں یہاں برعکس کر دیا ہے کہ ''شیخ نظام الدین نے شیخ برہان الدین کی پیروی کر کے......'' غالباً یہ مترجم کا سہو ہے۔

۱۴۔ اصل فارسی عبارت تکملہ سیر الاولیاء میں ملے گی۔

۱۵۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کا یہ سفر ۶۳۲ھ میں ہوا تھا اور اس کے ایک ہی سال کے بعد خواجہ غریب نواز اور خواجہ بختیار کاکی (قدس اللہ اسرارہما) کا وصال ہوگیا۔ اس سفر کی تفصیل قدیم کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن شاید یہ اور کسی نے نہیں لکھا کہ خواجہ غریب نوازؒ نے بابا صاحبؒ کو افزائش نسل کی دعا دی تھی۔

۱۶۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ملفوظات ''جامع العلوم'' اور ''سراج الہدایہ'' میں شیخ کمال الدین کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ پہلی کتاب کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۱۷۔ مجالس الحسنہ ص ۳۳۔۳۴

اس کے بعد مجلس ۱۸ میں مولانا سنگریزہ ملتانی سے مولانا کمال الدین کی ملاقات کا حال بیان ہوا ہے۔ اس مجلس میں ہے کہ شیخ لطف الدین سفر حج میں مولانا کمال الدین کے رفیق تھے اور وہیں یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم عیالدار ہوئے اور ہماری اولاد ہوئی تو آپس میں رشتہ داریاں ہوں گی۔ (مجالس الحسنہ ص ۳۸) آگے وہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ شیخ کمال الدین شادی کے بعد چھ سال تک اپنی بیوی کے طرف مائل نہ ہوئے اور حضرت چراغ دہلیؒ نے بشارت دی کہ اس کے بطن سے اولیاء اللہ پیدا ہوں گے۔

۱۸۔ حضرت شیخ کے حالات صوفیائے کرام کے تمام تذکروں میں ملیں گے لیکن پوری تفصیل کے ساتھ مستند حالات پروفیسر خلیق احمد نظامی کی ''تاریخ مشائخ چشت'' میں موجود ہیں۔ مزید مطالعے کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔

۱۹۔ کشکول کلیمی کا اردو ترجمہ غلام احمد بریاں جھجری نے شائع کیا تھا وہی ایڈیشن ہمارے سامنے رہا ہے۔

۲۰۔ کشکول کلیمی (اردو ترجمہ) ۲۵

۲۱۔ کشکول کلیمی: ۱۹

۲۲۔ مکتوبات کلیمی (مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ) ص ۱۵

۲۳۔ اخبار الاخیار (مطبع مجتبائی دہلی) ص ۵۴

۲۴۔ مکتوبات کلیمی: ۱۹

۲۵۔ کشکول کلیمی (اردو) ۲۹۔۳۰

۲۶۔ آپ کے حالات تکملہ سیر الاولیاء: ۱۲۱۔۱۳۶ میں موجود ہیں۔ (تفصیلات کے لیے تاریخ مشائخ چشت ملاحظہ ہو)

۲۷۔ تکملہ سیر الاولیا: ۱۲۲

۲۸۔ راحت القلوب کے پایۂ استناد پر ایک تفصیلی مضمون اسی شمارے میں شامل ہے۔

۲۹۔ حکیم حسین علی خاں حضرت شاہ عبدالرحمٰن موحد لکھنوی سے بیعت ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کے حالات میں ''انوار الرحمٰن لتنویر الجنان'' مشہور ہے اور اسی کا خلاصہ نور الرحمٰن صاحب بچھرایونی نے ''نورالرحمٰن'' کے نام سے کیا تھا۔

۳۰۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے متعلق ایک مفصل کتاب اعجاز الحق قدوسی کی لکھی ہوئی پاکستان میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۱۔ انوار الصفی کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ مطبع گلزار محمدی لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا تھا (تعداد صفحات ۷۲)

۳۲۔ انوار الصفی: ۲۱۔۲۲ ۳۳۔ انوار الصفی: ۲۴

۳۴۔ انوار الصفی: ۲۵

۳۵۔ شیخ داؤد پالہی کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا خلیفہ نہیں سمجھا جاتا۔ ان کا تذکرہ سیر الاولیاء اخبار الاخیار وغیرہ میں ہے، مگر انھیں بابا صاحبؒ کا خلیفہ نہیں بتایا گیا ہے۔ پروفیسر نظامی نے بھی (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر۔ حاشیہ ص ۶۷) میں یہی لکھا ہے۔ لیکن انوار الصفی میں شیخ داؤد کا حوالہ کئی جگہ آیا ہے اور انھیں بابا صاحبؒ کا خلیفہ لکھا ہے۔

۳۶۔ انوار الصفی: ۲۲۔۲۳

۳۷۔ قدوۃ الکبری سے اس کتاب میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی مراد ہیں۔

۳۸۔ انوار الصفی: ۳۹۔۴۰

۳۹۔ نیز دیکھو: سیر الاولیاء، ص ۴۹۱۔ درر نظامیہ: ۲۴۳

۴۰۔ انوار الصفی: ۴۵ ۴۱۔ انوار الصفی: ۵۷

۴۲۔ انوار الصفی: ۵۳۔۵۴

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی کتاب 'نظامی بنسری'

میں حضرت بابا صاحبؒ کی نسبت حواشی

بابا صاحب کا نسب: سیر الاولیاء اور دوسری کتب تاریخ میں حضرت بابا صاحبؒ کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے لیکن امروہہ کے ایک صاحب نے سیادت فریدی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قدیمی نسب ناموں سے اور نسب کی کتب تاریخ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت بابا صاحب سید تھے، فاروقی شیخ نہیں تھے اور مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ بنی امیہ یا عباس کے زمانے میں جب حضرت بابا صاحب کے بزرگ کابل میں آئے تو اس لیے اپنے نسب کو چھپایا کہ کابل کا حاکم اس اموی یا عباسی حکومت کا نائب تھا جو بنی فاطمہ کو سلطنت کا حریف سمجھتی تھی اور جہاں بنی فاطمہ کو پاتی تھی، مار ڈالتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے جان کے خوف سے اپنا نسب فاروقی بتایا اور اس بناء پر کابل کے حاکم نے ان سے قرابت کرلی اور آخرکار یہ خاندان کابل کا حکمراں ہوگیا۔

سیادت فریدی کو میں نے دیکھا تھا اور اس کی دلیلیں مجھے وزنی معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ہندوستان کے فریدیوں نے ان دلیلوں کو قبول نہیں کیا۔ بہر حال میں اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اس لیے لکھ دیا۔

لفظ شیخ: تمام خواجگان صوفیہ کو پرانی کتابوں میں لفظ شیخ سے یاد کیا جاتا ہے، چاہے وہ سید ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان ہوں۔ کیوں کہ شیخ کے معنی بزرگ اور سردار کے لیے جاتے تھے۔ نسب کا اس سے تعلق نہ تھا۔ مگر موجودہ زمانے میں نومسلموں کو بھی شیخ کہتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ اصحاب کی اولاد کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ پس جن لوگوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی وغیرہ بزرگوں کو لفظ شیخ کے سبب نسباً شیخ قرار دیا ہے اور ان کے سید ہونے سے انکار کیا ہے، یہ ان کی غلطی ہے۔

شیخ العالم: آج کل کے زمانے میں حضرت بابا صاحب کا مشہور لقب بابا فرید ہے اور بابا گنجشکر بھی لوگ کہتے ہیں۔ لیکن گزشتہ زمانے میں حضرت کو شیخ العالم یا شیخ شیوخ العالم کہا جاتا تھا۔

قاضی: حضرت کے دادا شعیب، قاضی کہلاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے اجداد کی حکومت کابل میں ختم ہوئی تو انھوں نے قاضی کا عہدہ اختیار کیا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے وہ قاضی مشہور ہوئے ہوں گے یا ہندوستان میں آنے کے بعد جب قاضی شعیب کو کھتوال ملتان کا قاضی بنایا گیا تھا، اس وقت سے ان کو قاضی کے لقب سے یاد کیا گیا ہوگا۔

مجاہدے: حضرت بابا صاحب کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصے مشہور ہیں۔ لیکن پرانی کتابوں میں ان کا ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اوچھ میں کنویں کے اندر لٹک کر جو انھوں نے چالیس رات تک صلوۃ معکوس پڑھی تھی، اس کا ذکر سیر الاولیاء میں ہے۔ لیکن ہندوستان میں بہت سے مقامات پر لکڑی کی ایک روٹی دکھائی جاتی ہے کہ حضرت اس کو اپنے پیٹ سے باندھ لیا کرتے تھے۔ اس کا ذکر میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

ٹھیکری کا نقش: البتہ بعض پرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت زمانۂ سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا۔ یکایک بارش ہونے لگی۔ قریب میں کمہاروں کا

ایک مکان دکھائی دیا۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے اور کمہاروں سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے، کئی دن سے درد ہیں۔ بچہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں تم کو جگہ کہاں سے دیں۔ حضرت نے جواب دیا، مجھے جگہ دے دو بچہ، ابھی پیدا ہو جائے گا۔ کمہاروں نے جگہ دے دی تو حضرت نے فرمایا میرے گدھے کو بھی جگہ دو۔ کمہاروں نے کہا یہاں آدمیوں کے لیے تو جگہ ہے نہیں، گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے، میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انھوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی۔ تب حضرت نے کمہاروں کے ''آوے'' سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا۔

مرا جائے شد ، خر مرا جائے شد

توخواہی بزائی نہ خواہی مزا

(ترجمہ) مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی اب اے عورت، تو چاہے بچہ جن یا نہ جن۔

اس کے بعد حضرت نے وہ ٹھیکری کمہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اس شعر میں نہ خدا رسول کا نام تھا، نہ کوئی اور متبرک عبارت تھی بلکہ ایک ہنسی اور طعن کا شعر تھا، مگر اس وقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے۔ اور اس کی تاثیر کا عجیب تماشہ دیکھا ہے۔ چنانچہ خود میں نے ہزاروں عورتوں کو ٹھیکری کا یہ تعویذ دیا اور اس کا بہت جلدی اثر ہوا۔

عصا: حضرت بابا صاحبؒ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر نے ان کو اپنا عصا عطا فرمایا تھا اور اسی لکڑی کو حضرتؒ رات کے وقت تکیے کی جگہ سرہانے رکھ کر سویا کرتے تھے اور پرانی کتابوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سلسلوں کے بزرگ اپنے خلفاء کو عصا اور کھڑاویں اور خرقہ اور کلاہ تبرکات میں دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے۔ مگر میں نے ان تبرکات کی وجہ پر بہت زیادہ غور کرنے کے بعد یہ سمجھا ہے کہ عصا ہر وقت ہاتھ میں رہنے کے سبب ان روحانی طاقتوں کو باہر ضائع ہونے سے روکتا تھا جو ان بزرگوں کے ہاتھوں اور انگلیوں سے مقناطیسی لہروں کی طرح ہر وقت باہر نکلتی رہتی تھیں اور قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بھی معجزے کا عصا کوہ طور پر مرحمت فرمایا تھا، جب کہ ان کو پیغمبری دی گئی تھی اور میں نے بہت سے بزرگوں کے ہاتھ کی لکڑیوں کی عجیب وغریب کرامتوں کو ایک جگہ جمع کر کے لکھا ہے۔

کھڑاویں: نئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ برقی لہریں لکڑی کے جسم میں داخل نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کا کام کرنے والے لکڑی پر کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں تاکہ کرنٹ اُن کو صدمہ نہ پہنچا سکے۔ پس فقراء اور سادھو بھی کھڑاویں اسی واسطے پہنتے ہیں کہ وہ آسمانی تجلیات (برقی لہریں) جو ان کے سر کے بالوں کے ذریعے ان کے جسم میں جذب ہوتی رہتی ہیں، وہ ان کے پیروں سے نکل کر زمین میں ضائع نہ ہوں۔ بلکہ کھڑاوؤں کی روک سے ان کے جسم کے اندر ہی رہیں۔

پس حضرت بابا صاحبؒ بھی کھڑاویں استعمال کرتے تھے۔ اور عصا ہاتھ میں رکھتے تھے جو قدیمی بزرگوں کی ایک روایتی شان تھی۔

چھٹارکن روٹی: بابا صاحبؒ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے روٹی بہت ضروری چیز ہے اور روٹی کے اطمینان کے بغیر اسلام کے پانچوں ارکان میں انسان کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

چپڑی روٹیاں: حضرت بابا صاحبؒ گھی کی چپڑی روٹی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھی سے چپڑی ہوئی روٹی بہت مفید اور مقوی غذا ہے اور پراٹھا ثقیل غذا ہے۔

کیونکہ کسی بزرگ کی غذا میں پراٹھے کا ذکر نہیں آتا۔

روزنامچہ: قلندروں کے قصے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت اپنا روزنامچہ خود دوسروں سے سنا کرتے تھے کیونکہ حضرت پر محویت اور استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ پس اپنا روزنامچہ سننا یا لکھنا اس سے جائز ثابت ہوتا ہے۔

اولاد: حضرت کے پانچ صاحبزادے تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

اگر چہ حضرت کی زندگی میں اولاد کو خرچ کی ہمیشہ تکلیف رہتی تھی، لیکن وفات کے بعد حضرتؒ کی سب اولاد خوشحال رہی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جہاں جہاں حضرتؒ کی نسل کے لوگ ہیں، سب خوشحال ہیں اور میں نے اپنی زندگی میں ایک آدمی بھی حضرتؒ کی اولاد کا مفلس نہیں دیکھا۔ پنجاب میں حضرتؒ کی اولاد کو چشتی کہا جاتا ہے۔

امرائے پائیگاہ: حیدرآباد دکن میں امرائے پائیگاہ بھی حضرت باباصاحبؒ کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدرآباد کی سب فوج ان کے اختیار میں تھی۔ اور اس کے خرچ کے لیے ان کو ایک کرور روپے آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی۔ اب اس خاندان کے تین حصے ہوگئے ہیں۔ ایک نواب معین الدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے، جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ تیسرے نواب سروقارالامراء کی اولاد ہے، ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کی لڑکیاں اسی خاندان میں بیاہی جاتی ہیں۔ اس خاندان کے سب لوگ سُنّی ہیں اور دانشمندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے۔ نواب سروقارالامراء کے ایک پوتے نواب حسن یار جنگ بہت زیادہ لائق اور فائق اور یورپ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ تینوں پائگاہوں کے امیر تعلیم یافتہ ہیں۔ خوش اعتقاد ہیں اور ان کی اولاد کے نام حضرت باباصاحب کی اولاد کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔

تین سلسلے: حضرت باباصاحبؒ سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک نظامیہ، دوسرا صابریہ، تیسرا جمالیہ۔ مگر جمالیہ سلسلہ نظامیوں میں مدغم (شامل) ہوگیا ہے، کیونکہ حضرت باباصاحب کے خلیفہ اول حضرت مخدوم جمال الدین ہانسویؒ کے جانشین ان کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منورؒ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے خلافت ملی تھی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ سے جاری ہوا، جو حضرت باباصاحب کے بھانجے تھے اور جن کا مزار کلیر شریف میں ہے، جو رڑکی سہارنپور کے علاقے میں ہے۔

نامناسب بحث: میرے بچپن کے زمانے میں سرساوہ ضلع سہارنپور میں ایک درویش شاہ خلیل الرحمٰن صاحب رہتے تھے، جو کہتے تھے کہ میں حضرت مخدوم جمال ہانسوی کی اولاد میں ہوں اور رام پور میں اس وقت ایک کتاب ''حقیقت گلزار صابری'' شائع ہوئی تھی جس میں لکھا تھا کہ حضرت مخدوم جمال الدینؒ کا روحانی سلسلہ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ نے چاک کردیا تھا، اس واسطے جمالیہ سلسلہ نہیں چلا اور یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت باباصاحبؒ کا سارا فیض حضرت صابر صاحب کو حاصل ہوا تھا اور وہی ان کے سب سے بڑے خلیفہ اور سب سے بڑے جانشیں تھے۔ اس کے جواب میں شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم نے کتابیں لکھیں، پمفلٹ شائع کیے، اشتہار تقسیم کیے، جن میں یہ لکھا گیا کہ حضرت باباصاحبؒ کے زمانے کی اور بعد کی کسی معتبر کتاب میں صابر صاحب کا ذکر نہیں ہے اور سیر الاولیا میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ''علی صابر شخصے بود'' علی صابر نام کے ایک آدمی تھے جو حضرت باباصاحبؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لہٰذا صابریہ سلسلہ کے بانی حضرت مخدوم علاء

الدین علی احمد صابرؒ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ حقیقت گلزار صابریؒ میں یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت بابا صاحب نے اپنے بھانجے علاء الدین علی احمد صابر کو دہلی کی خلافت دی تھی اور ان سے کہا تھا کہ ہانسی میں جا کر میرے خلیفہ مولانا جمال الدین سے اس خلافت نامے کی تصدیق کراؤ۔ وہ جب ہانسی میں پہنچے تو شام ہوگئی تھی اور چراغ موجود نہ تھا۔ انھوں نے مولانا جمال الدین ہانسوی کو اپنا خلافت نامہ دکھایا۔ انھوں نے کہا کہ اندھیرے میں یہ کاغذ پڑھ نہیں سکتا۔ چراغ آجانے دو۔ صابر صاحب نے اپنی دو انگلیوں پر پھونک ماری اور وہ روشن ہوگئیں۔ تب انھوں نے کہا، لیجیے۔ اس روشنی میں پڑھ لیجیے مولانا جمال الدین نے کہا تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو اور تم میں جلد بازی بھی بہت ہے اور دہلی بادشاہوں کا پایہ تخت ہے۔ وہاں کے لیے ایسا جلد باز آدمی مناسب نہیں ہے۔ یہ کہہ کر مولانا جمال الدین نے خلافت نامہ چاک کر دیا اور کاغذ کے پرزے حضرت صابر صاحبؒ کے سامنے ڈال دیے۔ صابر صاحبؒ نے فرمایا تم نے میرا خلافت نامہ چاک کیا اور میں نے تمہارا سلسلہ چاک کیا۔ یہ کہہ کر اور پھٹے ہوئے کاغذ خلافت نامے کے ساتھ لے کر حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بابا صاحبؒ نے جواب دیا ''پارہ کردہ جمال را فرید نتواند دوخت'' جمال کے پھاڑے ہوئے کاغذ کو فرید نہیں سی سکتا۔ اس کے بعد صابر صاحبؒ کو کلیر کی خلافت دی گئی۔

بہر حال یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں مزار شریف کے پائین صحن میں ایک بہت بڑا مناظرہ ہوا جس میں صابریہ سلسلے کے مشائخ اور دہلی کی درگاہوں کے پیرزادے جمع ہوئے۔ صابریوں کی طرف سے میرٹھ کے صوفی جان صاحب مناظر تھے اور دوسری طرف شاہ خلیل الرحمٰن صاحب خود مناظرہ کر رہے تھے۔ میری عمر اس وقت سات آٹھ برس کی تھی۔ میں نے اس مناظرے کو سنا تھا۔ میرے سامنے صابریوں نے بحث کی تھی اور جیسا کہ مناظروں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، یہی نتیجہ اس کا بھی ہوا تھا کہ سب سلسلوں میں باہمی عناد پیدا ہوگیا تھا اور ہر سلسلہ کے پیرو، شیعہ سنیوں کی طرح اپنے بزرگوں کو فضیلت دیتے تھے اور میرے دل میں بھی اس بحث سے نظامیہ سلسلے کی فوقیت کا تعصب پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب میں گنگوہ میں پڑھنے گیا تو وہاں حضرت مولانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد میں ایک صاحب نے مجھے چند پرانی کتابیں دکھائیں اور ان کی قیمت مانگی اور وہ میں نے منہ مانگی دے کر خرید لیں کیونکہ ان میں ایک کتاب بوستان بھی تھی جو حضرت مولانا درویش قاسمیؒ کے ہاتھ کی لکھی تھی اور مولانا درویش قاسمیؒ حضرت مولانا فتح اللہ اودھی کے مرید اور خلیفہ تھے اور حضرت مولانا صدرالدین طبیب دلہا کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت چراغ دہلی کے خلیفہ تھے اور میں نے یہ حال بزرگوں کے تذکروں میں پڑھا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ صابریہ سلسلے کے مجدد تھے اور انھوں نے حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ میں ایک عرصے تک حاضر رہ کر جاروب کشی فرمائی تھی اور وہاں ان کو نظامیہ سلسلے کا فیض حضرت مولانا درویش قاسمی سے حاصل ہوا تھا۔ اور مولانا درویش قاسمیؒ نے نظامیہ سلسلے کی خلافت کے ساتھ جو تبرکات حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو دیے تھے ان میں یہ بوستاں بھی تھی۔ اس لیے میں نے یہ بوستان منہ مانگی قیمت دے کر خریدی تھی۔

جب میں گنگوہ سے دہلی میں واپس آیا تو کلیر شریف کے گدی نشین شاہ ظہور احمد صاحب نے، جن کو وہاں کے خدام نے بعد میں شہید کر دیا تھا، پانچ سو روپے ایک آدمی کے ہاتھ میرے پاس بھیجے کہ صابریہ سلسلے کی وہ یادگار بوستان جو آپ نے خرید لی ہے، واپس دیجیے۔ میں نے جواب دیا۔ یہ کتاب میرے سلسلے کی

یادگار تھی اس لیے میرے پاس واپس آگئی۔ اب میں اس کو فروخت نہیں کروں گا۔

اس کے بعد ردولی شریف کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد صاحب مرحوم میرے پاس تشریف لائے اور انھوں نے بھی ایک معقول رقم دے کر یہ کتاب لینی چاہی، مگر میں نے انکار کردیا۔ پھر شاہ غلام احمد صاحب مرحوم فرخ نگری اور مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی نے مجھے سمجھایا مگر میں کتاب دینے پر راضی نہ ہوا۔

میجر میکالے: رسال پور چھاؤنی کے ایک انگریز افسر جنرل میکالے دہلی میں پرانی کتابیں خریدنے آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی کے چھوٹے فرزند مولوی ابوالحسن مرحوم کے ساتھ میرے پاس آئے اور میری قلمی کتابیں دیکھیں اور کچھ کتابیں خریدیں۔ اس وقت انھوں نے اس بوستان کو بھی دیکھا اور خریداری کی خواہش کی۔ میں نے کہا یہ کتاب بکری کی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کم از کم میں اس کی قیمت معلوم کرنی چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ کتاب ایک ہزار روپے کی ہے۔ میجر میکالے نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور سو سو روپے کے دس نوٹ میرے سامنے رکھ دیے۔ میں نے کہا میں کہہ چکا ہوں، یہ کتاب بکری کی نہیں ہے۔ میجر میکالے بولے آپ نے دو آدمیوں کے سامنے ایک ہزار روپے قیمت کہی اور معاملہ طے ہوگیا۔ میں نے کہا کہ یہ غلط دعویٰ ہے۔ میں نے ہرگز فروخت کرنے کے لیے قیمت نہیں کہی تھی۔ آخر وہ ناراض ہوکر چلے گئے اور میری کوئی کتاب نہیں خریدی، اور وہ بوستان اب تک میرے پاس موجود ہے۔ یہ فارسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ درویش قاسمی نے ہرات میں اس کو لکھا۔ اس کے بعد مولانا درویش قاسمیؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دوسری کتاب نفحات الانس جو عربی خط میں لکھی ہوئی ہے، میں نے ایک بڑی قیمت دے کر خریدی۔ یہ بھی میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

غلط تعصب: مجھ پر مذکورہ مناظرے کا جو بُرا اثر ہوتا تھا اس سے یہ غلط تعصب میرے اندر پیدا ہوگیا تھا۔ مگر آج میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ ورنہ صابریہ سلسلہ بھی نظامیہ سلسلے کی طرح حضرت بابا صاحب کے فیضان روحانی کا ایک بڑا سلسلہ ہے۔ جس میں بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ اگر شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم آج زندہ ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ صابریہ سلسلے کے سچے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ سیکڑوں اولیاء اللہ اس سلسلے میں ہوئے اور آج لاکھوں آدمی حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوکر دین و دنیا کی نعمتیں اور برکتیں اس مزار پُر انوار سے حاصل کرتے ہیں اور آج میرے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی صابریوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں ہے اور نقشبندیہ سلسلے سے جو اختلاف پیدا ہوگیا تھا، وہ بھی اب میرے دل سے بالکل دور ہوگیا ہے۔

نقشبندیوں سے اختلاف کی وجہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت خواجہ حسن بصری اور حضرت علیؑ کی ملاقات سے انکار کیا گیا تھا۔ اس کا جواب حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامیؒ نے فخر الحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھا تھا اور اس کی شرح علی حسن کے نام سے اردو زبان میں میں نے لکھی تھی۔ اور ایک بڑی عربی شرح القول المستحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے حضرت مولانا حسن الزماں چشتی نظامی حیدرآبادی نے شائع کی تھی اور میں نے نقشبندیوں پر یہ اعتراض شائع کیا تھا کہ ان کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ سے ملتا ہے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کا نام آتا ہے مگر سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مقرب تھے پھر ان کو حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس کے علاوہ سلمان فارسیؓ حضرت علیؓ کے شیعہ کہلاتے تھے۔ وہ کیونکر حضرت ابوبکرؓ سے روحانی بیعت کر سکتے تھے۔

لیکن آج یہ اعتراضات اور اختلافات بھی میں نے اپنے دل ودماغ سے بالکل دور کردیے ہیں اور مجھے نقشبندیہ سلسلے کے بہت سے فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اور میں گزشتہ زمانے کی سب مخالفانہ تحریروں سے تائب ہو چکا ہوں۔

بہشتی دروازہ: مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کا وصال ہوا تو حضرت سلطان المشائخ دہلی میں تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ اور عصا اور کھڑاویں اور تبرکات مولانا نظام الدین دہلی سے آئیں، تو ان کو دے دینا۔ اور وہی میری قبر بھی بنوائیں گے۔ چنانچہ حضرت کو بطور امانت کے ایک جگہ دفن کردیا گیا اور جب حضرت سلطان المشائخ اجودھن یعنی پاک پٹن شریف میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حضرتؒ کو اس جگہ دوبارہ دفن کیا جہاں آجکل مزار ہے اور اس پر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا جس کے دو دروازے رکھے۔ ایک شرق کی طرف اور ایک جنوب کی طرف۔ جنوبی دروازے کے پاس حضرت کھڑے تھے۔ یکا یک ایک جوش اور وجد اور بے خودی کی حالت حضرت پر طاری ہوئی اور حضرت نے تالیاں بجا کر فرمایا، لو دیکھو۔ رسول اللہ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اس دروازے میں داخل ہوگا، امن پائے گا۔

اس واقعے کے بعد سے یہ دستور ہو گیا کہ مشرقی دروازہ زائرین کے لیے کھلا رہتا ہے۔ اور جنوبی دروازہ بند رہتا ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے عرس کے دن ۵ محرم الحرام کی شام کو یہ دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک لاکھ آدمی اس دروازے کے اند رسے گزرتے ہیں۔ میں بھی کئی دفعہ اس دروازے سے گزرا ہوں۔ بہت سے انگریز مورخوں نے یہ منظر دیکھا ہے اور عجیب و غریب خیالات ظاہر کیے ہیں۔

تالیاں بجاتے ہیں: جب یہ دروازہ گزرنے کے لیے کھولا جاتا ہے تو اس سے پہلے ہزاروں آدمی درگاہ کے اندر اور باہر تالیاں بجاتے ہیں تاکہ حضرت سلطان المشائخ کی تقلید ہو جائے۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں اور رات بھر دروازے سے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر میں نے پرانی کتابوں میں خاص کر سیر الاولیاء میں اس بہشتی دروازے کا مذکور قصہ نہیں دیکھا۔

نعرہ: جب بہشتی دروازے کے اندر داخلہ شروع ہوتا ہے تو تمام حاضرین اللہ محمدؐ۔ چار یار، حاجی قطب فرید، فرید، فرید کے نعرے لگاتے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے لفظ حاجی غلط مشہور ہو گیا ہے۔ دراصل یہ خواجہ ہوگا۔ یعنی اللہ محمدؐ چار یار خواجہ قطب فرید ہوگا۔

جاہلوں کا عقیدہ: پاک پٹن شریف کے اطراف میں جو لوگ آباد ہیں ان میں زیادہ تر نومسلم قومیں ہیں اور وہ مسلمان ہونے سے پہلے بھی جرائم پیشہ تھیں اور اب بھی ان کی عادتوں میں بہت کم فرق ہوا ہے اور وہ تمام سال چوریاں کرتے رہتے ہیں۔ اور سال بھر کے بعد بہشتی دروازے سے گزر جانا اپنے سب جرائم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ پنجابی زبان میں وہ اس دروازے سے گزرنے کو بہشتی لنگنا کہتے ہیں۔ یعنی بہشتی دروازے سے گزرنا۔

جس شام کو بہشتی دروازہ کھلتا ہے سینکڑوں پولس کے سپاہی جھاؤ کی پتلی پتلی لکڑیاں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہجوم کرنے والے زائرین کو انتظام اور قابو کے اندر رکھنے کے لیے ان لکڑیوں سے مارتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لکڑیوں سے ان کے چہرے خون آلود ہو جاتے ہیں اور یہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا خون ڈاڑھیوں پر ملتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔ فرید۔ فرید۔ فرید اور کسی مار پیٹ کی پروا نہیں کرتے۔

کعبہ شریف کے طواف کے وقت بھی عرب بدو (صحرائی)

ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ عقیدت کا جوش عرب میں اور ہندوستان میں یکساں پایا جاتا ہے مگر ان جاہلوں کو پنجاب کے پیر یہ نہیں سمجھاتے کہ بہشتی دروازے کے گزرنے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوسکتے۔

درگاہ کی موجودہ حالت: حضرت بابا صاحبؒ کی درگاہ کی موجودہ حالت یہ ہے کہ حضرت کے مزار کا قبہ بہت چھوٹا سا ہے اوراس کے گوشہ شرق وشمال میں ایک عالی شان گنبد ہے جس میں حضرت کے پوتے حضرت شیخ علاء الدین موج دریاؒ کا مزار ہے اوراس گنبد کے باہر غربی صحن میں ان سجادہ نشینوں کے مزارات ہیں جو حضرت بابا صاحبؒ کے بعد سے آج تک حضرتؒ کی گدی پر بیٹھے۔ بابا صاحبؒ کے گنبد کے غرب میں ایک اور چھوٹا سا حجرہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت بابا صاحب کو یہاں زمین میں امانت رکھا گیا تھا۔ اس حجرے کے غرب میں ایک عالی شان مسجد ہے اور مزار کے جنوب میں گوشہ جنوب اورغرب پر ایک عالی شان نظامی برج ہے جو غالباً تونسوی سلسلے کے مشائخ نے بنایا ہے اور حضرتؒ کے پائین بہت سے حجرے ہیں جن میں ایک حجرہ صابر یہ حجرہ کہلاتا ہے۔ یہاں کا صحن کچا ہے اور برسات کے موسم میں یہاں کیچڑ ہوجاتی ہے۔ درگاہ کے نام ایک لاکھ روپے سے زیادہ آمدنی کی جاگیر ہے جو سجادہ نشین کے قبضے میں ہے۔ درگاہ کے مسافروں کو کھانا دیا جاتا ہے لیکن جتنی آمدنی درگاہ کی ہے اس کا خرچ درگاہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت بابا صاحبؒ کے مزار شریف کے شمال میں کچھ دور جا کر میرے دادا مولانا سید بدرالدین اسحاق کا مزار ایک گنبد میں ہے جو جھجروں والے پیر مشہور ہیں کیونکہ یہاں حضرتؒ کے عرس کے دن شربت کی جھجریاں (صراحیاں) بھری جاتی ہیں۔ یہاں میری برادری کے لوگ رہتے ہیں اور سید نادر شاہ صاحب اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ اب قصور سے پاک پٹن تک ریل بھی ہوگئی ہے۔

محرم میں عرس: حضرت بابا صاحب کا عرس محرم کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے۔ میں بارہا اس عرس میں شریک ہوا ہوں۔ عرس کے زمانے میں مراسم محرم کا میں نے کوئی اثر وہاں نہیں دیکھا۔ البتہ حضرت مولانا سید بدرالدین اسحاقؒ کی درگاہ میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے کیونکہ کچھ لوگ ان میں شیعہ بھی ہوگئے ہیں۔

دہلی میں حضرت کی اولاد کے مزارات: حضرت سلطان المشائخؒ کی درگاہ کے اندر اور باہر حضرت بابا صاحبؒ کے کئی پوتوں اور نواسوں کے مزارات ہیں جن پر میں نے کتبے لگادیے ہیں اور چراغ دہلی کے پاس شیخ سرا کے گاؤں میں بھی حضرت بابا صاحب کی اولاد میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔

روحانی مشن: بہرحال یہ چیز پھر لکھنی پڑتی ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے خلفاء نے حضرتؒ کے روحانی مشن کو چلایا۔ مگر ان کی اولاد نے باوجود طاقت رکھنے کے کوئی کام حضرت کے روحانی مشن کی تبلیغ واشاعت کا نہیں کیا اور حیدرآباد کے امرائے پائیگاہ نے بھی باوجود طاقت کے کچھ نہیں کیا اور ان میں کچھ بھی پاس اپنے دادا کی یادگاروں کی مدد کا نہیں پایا جاتا۔

میری خدمت: اگرچہ میں نے بھی اپنے حضرت کے روحانی مشن کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی، البتہ آریہ سماجیوں نے جب میرے بزرگوں کے مسلمان کیے ہوئے راجپوتوں کو مرتد کرنے کا کام شروع کیا اور لاکھوں آدمیوں کو مرتد کردیا تو اس وقت میں نے چھ برس کی لگاتار کوشش سے چھ لاکھ راجپوتوں کو مرتد ہونے سے بچالیا اور ان کے لیے ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شائع کیا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ آدمیوں کو بذریعہ بیعت سلسلہ نظامیہ میں داخل بھی کیا۔

☆☆☆

ست گرونانک صاحب

(حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے جانشین

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی چند قدیم تحریریں)

سچے خدا کا سچا ولی۔ توحید کا سمندر۔ حقانیت کا طوطی ہزار داستان۔ پانچ دریاؤں کے ملک میں حواس خمسہ کو شیریں گفتار سے دست وحدت دینے والا ''ست گرونانک صاحب۔''

سونے چاندی اور ہیرے موتی کی دھوم دھام میں جس نے غریب لوہے کو عزت کا تاج پہنایا، ہر چیلے کے ہاتھ میں آہنی کڑا ڈال کر غریب پرست بنایا۔

اس کو ست گرو کیوں نہ کہیں۔ حق و صداقت کی صدا اس کے ذہن سے نکل کر آج تک گونج رہی ہے۔

ست گرو کے سکھ کو دیکھو۔ کرپان ہاتھ میں رکھتا ہے۔ نفس و شیطان کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

گرنتھ صاحب ہندوستان کی دل و جان کتاب، ہم اس کے پاسبان، وہ ہم سب کے لیے نیر درخشاں۔

سری واہ گرو جی کا خالصہ، سری واہ گرو جی کی فتح اور ست سری اکال۔ ہندوستان کا پسندیدہ نعرہ ہو اور سکھ جماعت کے گرو صاحب کی عزت تمام اقوام ہندوستان میں تسلیم کی جائے۔

زلفوں والے نانک، آنکھوں والے نانک کی تعلیم بلند ہو کہ اس کی بلندی ہندوستان کے قوائے روحانی کی بلندی ہے۔

نانکی قوم میں وحدت

ست گرونانک صاحب کی تعلیم خالص توحید کی تھی۔ اس کا ثبوت ان لوگوں کے لیے جو سکھ مذہب سے واقف نہیں ہیں، آسان ہے۔ وہ سکھوں کے لباس، سکھوں کے چہرے اور سکھوں کے نام میں رنگ وحدت، معمولی غور کے بعد معلوم کر سکتے ہیں۔

ہر سکھ کیس (سر کے بال) کنگھا، کرد (چھوٹی چھری) (ہاتھ کا آہنی حلقہ) کچھ (جانگیا) پانچ کاف اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہے جن سے سکھ قوم کی یکتائی ثابت ہوتی ہے۔

کوئی سکھ ڈاڑھی نہیں منڈواتا، نہ کترواتا ہے۔ یہ بھی علامت وحدت کی ہے۔ کیونکہ قوم ایک شکل کی معلوم ہوتی ہے۔ کوئی سکھ تمباکو کے پاس نہیں جاتا۔ یہ نشان بھی وحدت کا ہے۔ ہر سکھ پگڑی باندھنے پر مجبور ہے۔ اس کے اندر بھی وحدت کا اثر ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں سکھ قوم کی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

ہر سکھ مرد کے نام میں سنگھ کا لفظ ضرور ہوتا ہے اور سکھ عورت کے نام میں کور کا لفظ ہونا ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں سکھ قوم کی یکجہتی کو ظاہر کرتی ہیں۔

ان کی کتاب ایک ہی ہے۔ ان کے عقائد اصولی میں بھی کچھ زیادہ کثرت نہیں ہے۔ اس لیے سکھ قوم کے بانی ست گرونانک صاحب توحید کے سچے داعی اس ملک ہندوستان میں تھے۔

آنکھوں والے نانک

قسم ہے اس عالم فانی کے چشم حیراں کی۔ قسم ہے سمندری جوش وطوفان کی۔ قسم ہے تخم ناتواں کی جو خاک میں منھ چھپا کر

چند دن چلّہ کرتا ہے اور پھر انگڑائی لے کر دید کائنات کے لیے آنکھ کھولتا ہے۔ قسم ہے کوئلے کی جس کی زندگانی سوخت ہے۔ قسم ہے آگ کی جو سراپا سوز ہے۔ نانک آنکھوں والے تھے۔ ان کی دید میں ہمارے واسطے ایک شنید تھی۔ ان کی آنکھ دیکھتی تھی، کہتی تھی، سنتی تھی۔ وہ ایک ہی وجود سے سب کام لیتے تھے۔ اور ہماری طرح آنکھ، کان، زبان کی کثرت کے محتاج نہ تھے۔ انھوں نے جو کہا وہی دیکھا اور جو دیکھا وہی کہا۔ ان کی نظروں میں تاثیر تقریر تھی۔ ان کی نگاہوں سے ہوش کی تعمیر تھی۔

قرآن شریف میں خدا نے سوال کیا ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے، ارواح نے جواب دیا ہوگا، اندھے اور دیکھنے والے میں یکساں جان ہے، پھر دونوں میں فرق کہاں؟ مگر جب روحیں اس عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوئی ہوں گی تو سمجھ میں آیا ہوگا کہ بے شک اندھے اور دیکھنے والے میں بڑا فرق ہے۔

جسم کی نظر آنے والی آنکھ تصویر کھینچنے کا کیمرہ ہے، راستہ دکھانے کا وسیلہ ہے لیکن اس کی دید محدود ہے اور مقید و محدود کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ لہٰذا ظاہر کی آنکھ والے سب اندھے ہیں۔ آنکھ والا وہی ہے جس کی نظر مادیات کی حدود میں اسیر نہیں ہے اور جو غیر محدود غیر محسوس کائنات تک رسائی رکھتی ہے۔

وہ آنکھ سب کو نہیں ملتی۔ جس کو ملتی ہے، وہی آنکھوں والا کہلاتا ہے۔ قسم ہے نظر کے خمار ہوش شکن کی۔ قسم ہے نگاہوں کے تیرِ بے خطا کی۔ قسم ہے ان سنگینوں اور برچھیوں کی جو آنکھوں کے آس پاس پہرہ دیتی ہیں۔ نانک آنکھوں والے تھے۔ ان کی آنکھ دیدار یار کرتی تھی...... ان کی آنکھ ہر نامعلوم و نامحسوس ہستی کو دیکھتی اور دکھاتی ہے۔

نانک آدمی تھے اور شکل تعین میں تمام ضروریات آدمیت میں مشغول نظر آتے تھے مگر ان کی آنکھ قوائے بشری سے نرالی شان رکھتی تھی۔ وہ ایک ہی آنکھ سے دیکھتے بھی تھے، بولتے بھی تھے، سنتے بھی تھے۔ اسی آنکھ سے بے شمار آنکھیں مخمور ہوتی تھیں کیونکہ ان کی آنکھ ایک آتش خانہ تھی۔ نانک کی آنکھ جذبات شیطان کے فنا کرنے میں ایک توپ خانہ تھی۔ وہ توپ خانہ جو جرمنی کی توپوں سے زیادہ طاقت دار تھا کیونکہ اس سے دل کے قلعے فتح ہوتے تھے۔ مٹی کے قلعے نہیں۔

نانک کی آنکھ سمندر تھی جس کی تہہ میں موتی بکھرے ہوئے تھے وہ جوش میں آتی تھی تو غرور و تکبر کے جہازوں کو پاش پاش کر دیتی تھی اور سکون کی شان دکھاتی تھی تو سب کے بیڑے پار لگ جاتے تھے۔

چشم نانک کرہ شمسی تھی جس کی کشش پر نظام عالم کا قرار نظر آتا ہے۔ اس میں جادو تھا جو لوگوں کو بے خود کر دیتا تھا۔ اس میں خنکی تھی جس سے ارواح تسلی پاتی تھیں۔

نانک فطرت الٰہی کی آنکھ کے تارہ تھے، جس میں نور محمدیؐ جلوہ فگن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح غیر خدا کی پرستش سے انکار کیا اور مراسم جہالت کو توڑ ڈالا اور کائنات کے ہر ذرہ کو نظر توحید سے دیکھا۔

ایسی نظریں ادب کے قابل ہیں۔ پیار کے قابل ہیں۔ انسان اپنی سب قابلیتیں ان پر نثار کر دے اور فدا ہو جائے۔

ذرا سننا نانک بابا کی آنکھیں، آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہی ہیں۔

''نام حق کا ورد کرو۔ خیر خیرات کو اپنا شعار بناؤ۔ غصہ و غضب سے دور ہو۔ جسم کو فانی سمجھو۔''

یہ خوب اشارے ہیں۔ آؤ پھر کچھ سنیں۔ ان سے پوچھیں کیوں بابا! اچھی زندگی تارک کی ہے یا اس کی جو دنیا میں مصروف رہ کر خدا کو یاد کرتا ہے۔

لو جواب ملا۔ فرماتے ہیں۔

''خانہ داری کی زندگی کو سب پر فضیلت ہے، کیونکہ دنیا دار اگر دردِ الٰہی کرے اور راہ حق میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے تو وہ سب سے افضل ہے۔''

''کنویں کا پانی اگر نکلتا ہے تو صاف اور شیریں رہتا ہے ورنہ خراب اور بدبودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خیرات کرنے سے عزت اور دولت میں ترقی ہوتی ہے۔''

''انسان کی فضیلت نیکی اور حق شناسی سے ہے اور دنیادار کی فضیلت یہ ہے کہ نیک چلن ہو۔ تارکان دنیا کی حفاظت وخدمت کرے۔ اچھی صحبت سے روحانی فیض پائے۔ شیریں کلامی اختیار کرے۔ جو کچھ ہاتھ آئے بانٹ کھائے۔''

سبحان اللہ! کیا لیکچر تھا۔ کیا خطبہ تھا، کیا الفاظ تھے، کیا معانی تھے، دنیاداروں کو دنیا میں رہنے کا کیا اچھا سبق دیا تھا۔

اب دریافت شروع ہوئی ہے تو لاؤ ذرا اطمینان قلب کا راستہ بھی پوچھ لیں۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ مال بھی ہے، اولاد بھی ہے، عزت بھی ہے مگر دل کو کسی طرح قرار نہیں آتا۔ وہ ہر وقت بے کل رہتا ہے۔ کیوں داتا، ایک نگاہ اس مسئلے پر بھی ہو گی۔ جی نہایت اداس رہتا ہے، کچھ فرمایئے کہ خاطر جمع ہو اور بے کلی سے نجات ملے۔ ارشاد ہوا۔

''جو حواس ظاہری و باطنی اور قوائے فاضلی کو لذات و محسوسات سے روکتے ہیں اور دل میں نام حق کا ورد کرتے رہتے ہیں، وہ سعادت دارین سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ تسلی اور تسکین انہی کو ملتی ہے۔''

''جس طرح پانی کے ڈالنے سے آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، ویسے ہی مرشد صادق کے کلام سے نفسانی جوش وخروش فرو ہوتا ہے اور ملک الموت کا خوف نہیں رہتا۔ جو لوگ حق کو پیار کرتے ہیں وہ ہادی برحق سے وصل پاتے ہیں اور قربت الٰہی کا سرور اٹھاتے ہیں۔''

ست سری اکال۔ جو فرمایا حق ہے۔ اب بابا سے ذرا عالم اور جاہل کا فرق بھی دریافت کرو کیوں کہ اس مضمون میں یہی مقصود ہے کہ آنکھ والے کی حقیقت معلوم ہو۔

بابا پیارے! ہم کو یہ بتا کہ عالم اور جاہل میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا:

''عالم ایک تالاب کی مانند ہے۔ جاہل اور متعصب لوگ جو عرفان الٰہی سے بے نصیب ہیں، مینڈک کی طرح کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اور عارفان احدیت اس تالاب میں کنول کے پھول ہیں اور طالبان حق بھونرے ہیں۔''

''مینڈک کنول کے پاس ہی رہتا ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں کوس دور ہے کیونکہ کنول کی خوشبو سے بے بہرہ ہے۔ اور بھونرا جنگل میں رہتا ہے مگر چونکہ وہ خوشبو کی لذت اور کنول رس کا شائق ہوتا ہے، دور سے آ کر لطف صحبت اٹھاتا ہے اور تسلی راحت پاتا ہے۔''

''جس طرح چکور چاند کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے، طالبان صادق ہادی برحق کی زیارت سے سرور پاتے ہیں۔ اندرائن کے پھل کو شیر وشکر سے بویا جائے تو بھی وہ کبھی میٹھا پھل نہیں دے گا، اسی طرح سیاہ دل کور باطن کا کلام روحانی خواہ وہ آب حیات کی خاصیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو کبھی فیض نہیں پہنچا سکتا۔''

''اگر تم دلی رغبت اور محبت سے طالب ہو کر کلام حق سنو گے اور نیک اعمال میں مصروف رہو گے تو تم عالم ہو اور تم کو نجات ہے، ورنہ جاہل رہو گے اور تمہارا انجام خراب ہے۔''

ارے ان باتوں کو سن کر ایک بات خوب یاد آئی۔ آؤ ذرا وہ بھی معلوم کر لیں کہ یہ جو دنیا میں شکلوں اور صورتوں کی تعظیم ہوتی ہے اور مخلوق خدا کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ یہ بت پرستی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ یہ سب ذات خدا کی اشکال ہیں، اور ہم ان صورتوں میں اسی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ آؤ پوچھیں کہ ہمارا

آنکھوں والا نانک اس پر کیا فرماتا ہے۔

کیوں گرو بابا! اس میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا

''ہم نرنکاری ہیں (یعنی بے شکل خدا کے پجاری) اور نرنکار نے ہمارے تمام بندھن کاٹ دیے ہیں۔ ہر قسم کی قیود وہمی اور باطل خیالات سے آزاد ہیں۔ ہمارا ٹھاکر وہی نرنکار ہے یعنی اس کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ جو لوگ ساکار بناتے ہیں، ہم ان کو راہ راست پر نہیں جانتے۔'' بغیر شکل وصورت قائم کیے اس کی دید ناممکن ہے۔ وہ عرش سے فرش تک ہر ذرہ میں رم رہا ہے۔ مرشد صادق کی خدمت کرو گے تو اس کی دید میسر آجائے گی۔''

بس بابا جان لیا۔ پہچان لیا۔ اب ماننے میں کہ کوئی عذر نہیں۔ آنکھوں والے تیری آنکھوں کے قربان جنہوں نے مولا کی راہ دکھائی۔ اب بتا کہ ہم کیونکر ان بھٹکے ہوئے نادانوں کو سمجھائیں جو تیری پاک اور سیدھی طریقت کو اپنے نفسانی خیالات سے آلودہ کرتے ہیں اور تیرے سکھ دھرم پر، جو سکھ سے بھرپور ہے طعن کی زبان کھولتے ہیں۔

تو سچا، تیری زبان سچی، تیری آنکھ سچی اور اس کی دید سچی، باقی جھوٹا سب سنسار۔

زلفوں والے نانک

بے شمار کانوں نے سنا، لاتعداد آنکھوں نے دیکھا۔ ان گنت دلوں اور دماغوں نے سمجھا کہ حضرت گرو نانک صاحب کے عارفانہ کلام میں کیسی شیرینی ہے۔ ٹھنڈک ہے اور سرور واطمینان ہے۔ پنجاب کہتا ہے کہ میں پانچ دریاؤں سے سیراب ہوتا ہوں۔ مگر دریا بولے ہم سے زیادہ تر وتازگی اس انسان کی باتوں میں ہے جس کا نام نانک تھا اور جو ظاہر و باطن کے حواس خمسہ کو سیراب کرنے آیا تھا۔ پنجاب نہ بھول، وہ تیری خشک خاک سے نمودار ہوا تھا۔

دل کی آنکھ کا نام بصیرت ہے، جسم کی آنکھ کو بصارت کہتے ہیں۔ بصیرت پنجاب میں گذری تو نانکی میکدہ کے جام سے سرشار ومخمور ہوگئی۔ بصارت حسرت و یاس میں کھڑی دیکھتی رہی۔ آخر اس نے نانک کی زلفوں کو اپنی پلکوں سے دراز گیسوؤں کو چوم کر پوچھا، تم اس نورانی دماغ پر کب سے ہو۔ کیوں ہو، زلف بولی، اپنی ہستی پر غور کر۔ میرا راز خود بخود ظاہر ہوجائے گا۔ پلک جھپکی اور اس نے اپنے وجود کا مطالعہ شروع کیا۔

اس نے سوچا، روشن آنکھ کے کنارے مجھے کیوں کھڑا کیا گیا۔ دل نے بتایا، اپنی ٹیڑھی نوکوں کو دیکھ۔ دنیا کے گرد وغبار اور اعدائے انوار کی حفاظت کے لیے تجھ کو مقرر کیا گیا ہے۔ تجھ کو ایک بے قراری ملی ہے تاکہ تو ہر سکنڈ میں ایک بار جھپکے اور بیرونی دشمنوں کو نور چشم پر حملہ نہ کرنے دے۔

پلکوں نے زلف سے کہا، میرا دل تو صرف فلسفیانہ وجہ بتاسکا۔ تو مجھے کچھ اور بتا کہ قرار نصیب ہو۔ زلف نے جواب دیا، ہر چیز کی شناخت اس کی ضد اور عکس سے ہوتی ہے۔ گرمی وتپش خنکی ونمی کا پتہ بتاتی ہے۔ پیاس پانی تک لے جاتی ہے۔ کانٹا پھول کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اندھیرا روشنی کی ضرورت کو نمودار کرتا ہے، اس لیے قدرت نے جسم انسان کے ہر اس حصے پر جہاں ذات الٰہی کے مخفی انوار پوشیدہ ہیں، کالے بالوں کے نشان لگادیے ہیں تاکہ ظلمات کے سایہ میں آب حیات کی تلاش کی جائے۔

زلف و پلک کی باتوں میں نور دیدہ کو آگے بڑھنے کی فرصت ملی اور اس نے نانک بابا کی نظروں پر اپنا وجود صدقے کر کے پوچھا، ست گرد اپنی کاکلوں کا بھید بتا۔ بابا کی بھگت نواز نگاہوں نے چشم مشتاق سے کچھ مخفی اشارے کیے جن سے وہ تڑپ گئی اور آنسوؤں کی چادر میں منہ لپیٹ کر بے ہوش ہوگئی۔

عقل و دانش کے سر پر تلوار کھچ گئیں اور پکارنے والے نے کہا، یہ کوچہ دوسرا ہے۔ یہاں ادب ومحبت کے دماغ رسائی

پاتے ہیں اور عقل غرور کے متوالے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

تو نے نہیں سنا، مسلمانوں کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر لمبے بال سر پر رکھتے تھے۔ ان کے روحانی نائب و جانشین حضرت مولیٰ علی بھی گیسو دراز تھے اور خاندان نبوت کے شب چراغ، حضرت امام حسین کے شانوں پر بھی کاکلوں کی پیاری لٹیں لٹکا کرتی تھیں اور مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے روحانی پیشوا بھی عموماً زلف درازی کے عامل تھے۔

دوسری طرف نظر اٹھا کر یونان میں جا اور اس کے فلسفیوں، حکیموں اور ارباب روحانیت کو دیکھ، اکثر زلف دراز نظر آئیں گے۔

ہندوؤں کے قدیم زمانے کے پرانے بت خانوں کی تصویروں میں دیکھ۔ سب کے سروں پر بالوں کا جوڑ نظر آئے گا۔

مصر میں ہزاروں برس پہلے کی تصویروں پر نظر ڈال، یہ جلوہ وہاں بھی دکھائی دے گا۔

خود اس یورپ کے بزرگوں کو سامنے لا جس کی اولاد ڈاڑھی مونچھ کا صفایا حسن مردانگی تصور کرتی ہے، وہ بھی اکثر لمبے بال رکھتے تھے۔

آدمی جس فطرت پر پیدا ہوتا ہے، تو اس کا مقابلہ نہ کر اور فطرتی بالوں کو سنبھال اور غیب کی برقی لہروں کے تار نہ کاٹ۔

اس آواز کو سن کر میں نے کہا میرا اس پر یقین ہے، مگر اے پکارنے والے مجھ کو دنیا کی دلیلوں میں نہ ڈال۔ ست گرو کی زلفوں تک کیونکر پہنچتے ہیں اس کا راستہ بتا۔ بصارت بے ہوش ہوگئی، بصیرت خاموش ہوگئی، عقل و خرد کے سر کاٹ ڈالے گئے۔ اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ نانکی زلف کی خوشبو کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ مجھے بتا کہ میں اسے پاؤں۔

کہا بات صاف ہے۔ تجلیاں برقی ہوں یا روحانی، سلسلہ کے طلبگار ہیں۔ اس میدان کا سلسلہ محبت ہے۔ اگر تو نانکی فیض کا طالب ہے تو اس عشق کو اختیار کر جس کے بروگ میں ست گرو نانک نے بال بڑھائے پاکیزہ زردشت نے بال بڑھائے۔ عشق کی زلفیں منزل جاناں کا پتہ بتاتی ہیں۔ اس زنجیر کو پاؤں میں ڈال۔ ہاتھ میں ڈال۔ گلے میں پہن اور دل کو بھی اس میں اسیر کر، تا کہ تسلی، اطمینان، سرور ابد اور شانتی نصیب ہو۔

(صفحہ نمبر ۱۸ کا بقیہ)

تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو دریافت کیا: ''کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''جی ہاں'' فرمایا، چلو ایک بار پھر پڑھ لیں پھر کسے خبر ہے کیا ہوگا! دوبارہ پھر نماز پڑھ کر بے ہوش ہوگئے، پھر ہوش میں آئے تو یہی سوال کیا: ''کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟'' حاضرین نے کہا جی ہاں۔ دوبار پڑھی ہے۔'' فرمایا: ''خیر ایک بار اور پڑھ لیں۔ کل خدا جانے کیا ہو۔ تیسری بار نماز پڑھ کر آپ نے باآواز بلند کہا:

یا حي یاقیوم یا حي یا قیوم یا حي یا قیوم

اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

یہ زندگی ایک ایسے درویش کی ہے جس نے ہر انسان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھا۔ جس نے انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھایا، جس نے ٹوٹی ہوئی امیدوں کو جوڑا، گرتے ہوئے لوگوں کو سہارا دیا۔ جو خدا کی محبت میں زندہ رہا اور اسی کے عشق میں فنا ہوگیا۔ جس کی آوازیں آج بھی پنجاب کی فضاؤں میں گونج رہی ہیں۔

اک پھکا نہ گالاے، سبھنا میں سچا دھنی

ہیاو نہ کیہی ٹھاہ، مانک سب امول دیں

(یعنی کسی سے روکھے منہ مت بولو، خدا کا جلوہ ہر شخص میں موجود ہے، اور کسی کا دل مت توڑو کیونکہ سب انسانوں کے دل قیمتی ہیں)۔

گرو گرنتھ صاحب کا عرفان

ترتیب وترجمہ: سردار گوربچن سنگھ صاحب طالب پروفیسر شعبۂ الٰہیات پنجابی یونیورسٹی

آسا شیخ فرید جیو

دلوہ محبت جن سے ئی سچیا
جن من ہور مکھ ہور سے کاڈھے کچیا
رتے عشق خدا رنگ دیدار کے
وسریا جنا نام تے بھوئے بھار تھی اے
رہاؤ، آپ لیے لڑئی در درویش سے
تن دھن جنیندی ماؤ آ سپھل سے
پروردگار اپارا گم بے انت تو
جنا پچھاتا سچ چماں پیر مو
تیری پناہِ خدا تو بخشندگی
شیخ فرید ے خیر دیجیے بندگی

(ترجمہ) جنہیں خدا سے دلی عشق ومحبت ہے، وہی صادق وصدیق ہیں۔ جو دل سے اور لیکن منہ سے اور ہیں، یعنی جن کا فعل وفکر یکساں نہیں، وہ ابھی راہِ خدا پر خام اور نو آزمودہ کار ہیں۔ صادق لوگ خدا کے دیدار اور عشق حقیقی میں رنگے ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو خدا سے بے خبر رہتے ہیں، وہ زمین پر محض بوجھ ہیں۔ اصل درویش وفقیر وہ ہیں جنہوں نے خدا کا دامن تھام رکھا ہے یا جن پر خداوند تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ ایسی ماں قابل پرستش اور عزت ہے جس نے ایسے درویش کو جنم دیا۔ ایسے لوگوں کی زندگی ہی کامیاب سمجھی جاتی ہے۔ اے خداوند عالم! تو لاحدود وشمار ہے تو لایعقل ہے اور تو نارسا ہے۔ جنھوں نے اس حقیقت کو پہچان لیا۔ میں ان کی قدم بوسی کو عین عنایت تصور کرتا ہوں۔

اے خداوند حقیقی! میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ تو غفار ہے اور رحم وکرم کرنے والا ہے۔ اپنے ادنیٰ خادم فرید کو اپنی عبادت وبندگی عطا فرما۔

آسا شیخ فرید

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے
اہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے
آج ملادا شیخ فرید ٹاکم کونجڑیاں
منہ مجنڈریاں
جے جانا مرجائیے گھم نہ آئیے
جھوٹی دنیا لگ نہ آپ ونجائیے
بولیے سچ دھرم جھوٹ نہ بولیئے
جوگرو سے واٹ مریدا جولیئے
چھیل لگھندے پار گوری من دھیری آ
کنچن ونے پا سے کلوت چیریا
شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا
جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیس گیا
کتک کونجاں چیت ڈوساون بجلیاں
سیالے سوہندیاں پر گل باہڑیاں
چلے چلن ہار وچارا لیے منو

گنڈھیڈ یا چھٹے ماہ ٹڑند یا ہک کھنو
زمین پچھے آسمان فرید اکھیوٹ کن گئے
چالن گورا نال الا ہے جیئہ سہے

(ترجمہ) شیخ فرید صاحب فرماتے ہیں، اے عزیز انسان! خدا سے لولگا! کیونکہ یہ جسم تو خاک کی ڈھیری ہوجائے گا اور قبر تیرا گھر بنے گی۔ آج ہی مجھے خداوند تعالیٰ سے وصال نصیب ہوسکتا ہے اگر میں اپنی خواہشات نفسانی پر قابو پالوں کیوں کہ یہی خواہشات انسان کی سفلیات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو کہ ہمیں آخر موت سے ہم آغوش ہونا ہے اور پھر لوٹکر دنیا میں نہیں آنا تو ہم اس جھوٹی دنیا سے دل نہ لگائیں اور اپنی قیمتی زندگی برباد نہ کریں۔

ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔ جھوٹ سے دور کا بھی واسطہ نہیں چاہیے۔ جو پیر و مرشد ہمیں صراط مستقیم بتائے، اسی پر گامزن ہونا چاہیے۔ خدا کے راستے پر چلنے والے عارف کو اس دنیا کے گہرے سمندر سے پار ہوتے دیکھ کر انسان کی روح کو تسکین و تشفی ہوتی ہے، اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونے جیسا جسم آخر موت کے آرے سے چیر دیا جائے گا۔

فرید صاحب فرماتے ہیں کہ اس دارالفنا میں کوئی شخص ہمیشہ کے لیے زندہ نہیں رہا۔ جہاں ہم آج بیٹھے ہیں، اس جگہ بھی کئی لوگ پہلے قیام فرما چکے ہیں۔

کارتک مہینہ میں کھیتوں میں اکثر کونجیں آجاتی ہیں۔ چیت ماہ میں جنگلوں میں آگ لگتی ہے اور ساون ماہ میں بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے۔ موسم سرما میں منکوحہ بیوی کی بانہیں اپنے شوہر کے گلے میں پڑی ہوئی خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ سب فانی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کو آخر اس دنیا کو خیرباد کہنا ہے ابھی معرض وجود میں آنے میں تو اسے چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ لیکن دنیا سے تعلق ٹوٹنے میں لمحہ بھر نہیں لگتا۔

زمین آسمان سے پوچھتی ہے کہ وہ ملاح کہاں گئے جو عام لوگوں کو دریا سے پار کرتے تھے۔ اس کا جواب ہے کہ نہ معلوم وہ کہاں گئے۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ اس وقت قبروں میں دفن ہیں۔ لیکن ان کی ارواح کو مورد الزام گردانا جارہا ہے۔ وہ اجسام کے اعمال اور گناہوں کے لیے ذمہ داری ٹھہرائے جارہے ہیں۔

راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مرڑوں
باول ہوئی سوسوہ لوروں
تے سُہہ من مہہ کیا روس
مجھ اوگن سُہہ ناہی دوس
تے صاحب کی مے سارنہ جانی
جو بن کھوئیا چھے پچھتا نی
کالی کوئل توکت گُن کالی
اپنے پریتم کی ہوبر ہے جالی
یہ ہُون کمتہ سکھ پاً
جاہوۓ کرپال تاپر بھو ملاً
ودھن کھوہی مندھ اکیلی
نہ کو ساتھی نہ کو بیلی!
واٹ ہماری کھری اوپنی
کھنے اوں تکھی بہت پی اپنی
اُس اوپر ہے مارگ میرا
شیخ فرید اپنتھ سمار سویرا

میں خدا کے ہجر میں جل جل کر کف افسوس مل رہا ہوں دیوانہ ہوکر اس شوہر حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ اے میرے محبوب حقیقی! تو مجھ سے ناراض و برافروختہ ہے۔ مجھ میں کوئی وصف نہیں، تجھے کیسے مورد الزام گردان سکتی ہوں، میں نے

اپنا عالم شباب یوں ہی برباد کردیا۔ اب افسوس کرنے سے کیا حاصل۔

کالی کوئل سے سوال کرتے ہیں، تو کیوں کالی ہے۔ تیرا رنگ سیاہ کیوں ہے۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میں تو اپنے محبوب حقیقی کے ہجر وفراق میں جل کر خاک سیاہ ہوگئی ہوں۔ میری سیاہی کی یہی وجہ ہے۔

جو اپنے محبوب حقیقی سے الگ تھلگ ہے اسے چین وسکون کہاں نصیب ہو۔ جب وہ محبوب خود رحم وکرم کرے گا تب ہی اس کا وصل نصیب ہوگا۔

موت کا کنواں نہایت خوفناک ہے اور روحِ انسانی تن تنہا ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں (جو اسے ڈوبنے سے بچا سکے) ہمارا راستہ نہایت حیران کن ہے۔ وہ صراط مستقیم کی طرح بہت باریک اور پُر خطر ہے۔

ہمیں ایسے راستے کو عبور کرنا ہے۔ اس لیے اے فرید! ایسے راستے کو عینِ حیات کی صبح کے وقت ہی یاد رکھ۔

سوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا
بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دوہیلا
ہتھ نہ لاء کسنبھڑے جل جاسی ڈھولا
اک آپینے پتلی سہہ کیرے بولا
ودھاتھنی نہ آوائی پھر ہوئے نہ میلا
کہے فرید سہیلیو سہہ الائسی
ہنس چل سی ڈمنا
ایہہ تن ڈھیری تھی سی!

(ترجمہ) وقت پر تو اے انسان! اس دریائے دنیا کو پار کرنے کے لیے تو کشتی تیار نہ کرسکا۔ اب جب کہ اس میں طوفان امڈ آیا ہے اور اس کو تیر کر پار کرنا مشکل ہے۔ تیری کوئی بھی کوشش بے سود ہے۔

یہ دنیا کیسو کے پھول کی طرح ہے جس میں نہ خوشبو ہے نہ خوبصورتی۔ اس کو ہاتھ لگانے سے اے عزیز! تو خود جل جائے گا۔

پھر فرید صاحب انسانی روح سے مخاطب ہوتے ہیں کہ ایک تو تو خود کسی قسم کی صفت سے آراستہ نہیں اور دوسرے تو اس شوہر حقیقی کے سخت لفظ برداشت نہیں کرسکتی۔ تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے وہ عورت کبھی عیال دار نہیں ہوسکتی جس کو شوہر نے ترک کر رکھا ہو۔

فرید صاحب فرماتے ہیں کہ وہ شوہر حقیقی آپ کو بلا رہا ہے۔ تمہاری یہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی اور یہ جسم خاک کا ڈھیر ہوکر رہ جائے گا۔

سلوک شیخ فرید کے

جند ووہٹی مرن ورلے جاسی پرناء
آپن ہتھی جو لکے کے گل لگے دھاء
والہیہ نکی پر صلات کنی نہ سنی آء
فرید اُکڑی پوندیئی کھڑا نہ آپ مہا
فریدا جے جانا تل تھوڑڑے سمل بک بھری
جے جانا سہہ نڈھڑا تا تھوڑا مان کری
جے جانا لڑچھجنا پیڈی پائی گنڈھ
تے جے وڈے ناہِ کو سبھ جگ ڈھاہنڈھ
فریدا جے تو عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
آنپڑے گریوان منہ سرنیو اکر دیکھ
فریدا جوتیں مارن مکیان تناں نہ مارے گھم
آنپڑے گھر جائیکے پیر تنادے چم

(ترجمہ) انسانی روح دلہن کی طرح ہے اور اجل اس کا دولہا ہے جو اسے منکوحہ بیوی بنا کر لے جائے گا۔ جب جسم اسے خود اپنے ہاتھوں موت کے حوالے کر دے گا تو بعد میں کس سے بغلگیر ہوگا۔ یہ راستہ صراط مستقیم کی طرح ہے۔ کیا تو نے نہیں سنا۔ آئے دن روح کو اس کو پار کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ لیکن ایک تو ہے کہ کنارے پر کھڑا اپنے آپ کو غرق کر رہا ہے۔

اے فرید! اگر میں جانتا کہ زندگی کے لمحات بس چند ایک ہیں تو میں سوچ سمجھ کر انھیں استعمال کرتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ حیات کا دولہا کمسن ہے، تو میں خود کیوں اتراتی۔

اے فرید! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھ سے میرا عقد نکاح اتنی جلدی ٹوٹ جائے گا تو میں اس کو اس قدر مضبوطی سے گانٹھ دیتی کہ یہ ٹوٹ نہ سکتی۔ میں نے تمام دنیا کو دیکھ لیا ہے تیرے جیسا شوہر مجھے نصیب نہیں ہوسکتا۔

اے فرید! اگر تو عقل لطیف رکھتا ہے تو سیاہ اعمال کا مرتکب نہ بن۔ تو خود اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھ۔ تجھے اپنا جیسا سیاہ اعمال اور کوئی نہیں دکھائی دے گا۔

اے فرید جو تجھے زد وکوب کرنا چاہتے ہیں تو ان سے انتقام نہ لے، بلکہ ان کے در دولت پر جا کر ان کی قدم بوسی کر۔ یہ حلم وانکساری کی انتہا ہے۔

فریدا کالی جنھی نہ رادیا دھولی راوے کوء
کر سائیں سیئوں پر ہڑی رنگ نویلا ہوء

اے فرید! جن لوگوں نے عالم شباب میں جب ان کے بال سیاہ تھے اس خدا کی یاد نہیں کی، ان میں سے کوئی ہی پیری میں یاد کرے گا جب کہ تمام بال سفید ہو جائیں گے۔

اس لیے اے فرید اتو اس مولیٰ سے لو لگا، اس طرح تجھ پر جوانی آئے گی۔ تیرا چہرہ چمک اٹھے گا۔

محلا — ۳

فریدا کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چیت کرے
اپنا لایا پرم نہ لگئی جے لوچے سبھ کوئے
اہ پرم پیالہ خصم کا
جے بھاوے تے دیئے

تیسرے گورو امرداس جی فرماتے ہیں، اے فرید! عالم شباب ہو چاہے عالم پیری، وہ خداوند تعالیٰ تو تمام حال میں موجود ہے۔ اس کو کوئی یاد کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس کو یاد کرنے کے لیے کوئی خاص عمر یا وقت معین نہیں اور پھر محبت کی نہیں جاتی۔ یہ تو اس محبوب حقیقی کے لگائے سے لگتی ہے۔ چاہے ہر کوئی محبت کرنا چاہتا ہے۔ یہ تو خدا کی بخشش ورحمت ہے۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

●

فریدا جن لوئن جگ موہیا سے لوئن مے ڈٹھ
کجل ریکھ نہ سہند یا سے پنکھی سو ہے بیٹھ

اے فرید! جن آنکھوں نے دنیا بھر کو مسحور کر رکھا تھا، وہ آنکھیں میں نے دیکھی ہیں۔

وہ آنکھیں جو سرمہ بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں، آج ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں (بعد مرنے کے) پرندے بیٹھے بچے دے رہے ہیں۔

●

فریدا خاک نہ نندی اے خاکو جیڈ نہ کوء
جیو ندیاں پیراں تلے موئیاں اُپر ہوء

اے فرید! خاک کو برا مت کہو۔ خاک کے برابر کون ہے۔ جیتے جی تو یہ انسان کے پاؤں تلے بے شک ہوتی ہے۔ لیکن مرنے پر یہ تمہارے اوپر ہوگی (انسان کو مرنے کے بعد سپرد خاک

کردیا جاتا ہے)۔

●

فریدا جالب تامینہہ کیا لب تا کوڑا مینہہ
کچر جھت لنگھائی اے چھپر تتے مینہہ

اے فرید! جہاں ہوس و حرص ہے وہاں محبت کہاں؟ اگر حرص و ہوا ہے تو ایسی محبت جھوٹی ہے۔ زیادہ دیر قائم رہنے کی نہیں، جیسے اُس چھپر نیچے انسان کب تک وقت گزار سکتا ہے جس پر موسلا دھار مینہ پڑ رہا ہو۔ وہ جلد ٹوٹ جائے گا۔

●

فریدا جنگل جنگل کیا بھونیہ ون کنڈا موڑ مینہہ
وسی رب ہیالی اے جنگل کیا ڈھوڈیہہ

اے فرید! تو خدا کی تلاش میں جنگلوں کی خاک کیوں چھانتا پھرتا ہے۔ کیوں ناحق خاردار جھاڑیوں میں سے گزرتا، ان کو پاؤں تلے روندتا جاتا ہے۔ اس سے خدا کہاں پائے گا۔ خدا تو تیرے دل میں جاگزیں ہے۔ جنگلوں میں اسے تلاش کرنا بے سود ہے۔

●

چل چل گییا پنکھیا جنی وسائے تل
فریدا سر بھریا بھی چلسی تھکے کول اکل

یکے بعد دیگرے تمام پرندے بھی اڑ گئے اور تالابوں کو خالی کر گئے۔

اے فرید! یہ بھرے تالاب بھی آخر خشک ہو جائیں گے اور تنہائی میں کنول کے پھول بھی مرجھا جائیں گے۔

●

اٹھ فرید! وضو ساج صبح نواج گزار
جو سر سائیں نو لوے سو سر کپ اتار

اے فرید! علی الصباح اٹھ کر وضو کر اور نماز ادا کر۔ ایسا سر جو خدا کے حضور سجدہ نہیں کرتا، قلم کر دینا چاہیے۔

●

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے ڈھاہ
اگے مول نہ آوسی دوجک سندی بھاہ

اے فرید! اپنے دل کو صاف و ہموار کر اور راستے میں آنے والے تمام گڑھوں کو مسمار کر دے۔ ایسا کرنے سے تو دوزخ کی آگ میں نہیں جلے گا۔

●

فریدا خالق میں خلق وسے رب ماہ
مندا کس نو آنکھی اے جاتس بن کوئی ناہ
(گورو ارجن)

اے فرید! دنیا کا خالق مطلق اپنی پیدا کی ہوئی خلقت میں بستا ہے اور خلقت اس خداوند تعالیٰ کی آئینہ دار ہے۔ اس لیے کہ کس کو برا بھلا کہیں۔ تمام مخلوقات میں اس کے بغیر بھلا اور کون موجود ہے۔

●

فرید ابرے دا بھلا کر غصہ من نہ ہنڈھائے
دیہی روگ نہ لگئی پلے سبھ کچھ پائے

اے فرید! تو بد انسان سے بھی نیکی کا برتاؤ کر۔ اس کے لیے دل میں کسی قسم کا کینہ اور بغض نہیں رکھنا چاہیے۔
اگر تو اس طرح کرے گا تو تو کسی بھی مرض میں مبتلا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ تندرست رہے گا اور اپنے حصول کو پالے گا۔

●

فریدا میں جانیا دکھ مجھ کو دکھ سبائیا جگ
کوٹھے چڑھ کے دیکھیا تا گھر گھر ایہا اگ

اے فرید! میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی رنج و الم میں گرفتار ہوں لیکن یوں دکھائی پڑتا ہے تمام دنیا ہی دکھ درد سے کراہ رہی

ہے۔ جب میں نے چھت پر چڑھ کر اردگرد نگاہ دوڑائی تو مجھے ہر گھر سے آرام ومصائب کی آگ کا دھواں اٹھتا دکھائی دیا۔

●

فریدا بھوم رنگا ولی منجھ وسولا باگ (باغ)
جو جن پیر نواجیا تنا انچ نہ لاگ
(گوروار جن)

اے فرید یہ دنیا رنگین وشاداب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس میں خاردار باغ واقع ہے۔ جن لوگوں پر پیرومرشد کی نوازش ورحمت ہے، انھیں رتی بھر آنچ نہیں آتی۔ یعنی انھیں کسی قسم کی تکلیف لاحق نہیں ہوتی۔

●

فریدا گلی سوجن دیہہ اک ڈھوڈیدی نہ لہا
دھکھا جیو مالیہہ کارن تنا ما پری

اے فرید! باتوں سے تو سیکڑوں دوستی کی ڈینگ مارتے ہیں لیکن حقیقی دوست ڈھونڈنے پر بھی نصیب نہیں ہوتا۔

میں تو حقیقی دوست وغمخوار کی محبت میں گیلے اُپلے کی طرح جلتا رہتا ہوں۔

●

فریدا تن سُکا پنجر تھی آتلیا ٹھو گہہ کاگ
اجے سورب نہ بہڑوو دیکھ بندے کے بھاگ

اے فرید! انسان کڑی سے کڑی ریاضت وعبادت کرتا ہے جس سے اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہوجاتا ہے۔ اور کوے اس کے تلووں کو ٹھونگا مارتے ہیں۔

لیکن واہ رے بدبختی انسان کی! خدا کا وصل پھر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خدا پھر بھی اس کی مدد پر نہیں آتا۔ شاید اسے اور کڑی ریاضت درکار ہے۔

●

کاگا کرنگ ڈھڈولیا سگلا کھائیا ماس
ایہہ دو نیناں مت چھوہیو پردیکھن کی آس

اے کوے! تو نے میرا تمام جسم چن چن کر کھالیا، میرا تمام گوشت نوچ لیا، مجھے اس کی رتی بھر پروا نہیں۔ کوئی بات نہیں۔

میں تو یہ التماس کرتا ہوں کہ میری ان دو آنکھوں کو مت چھونا کیونکہ اب بھی مجھے اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کی امید ہے۔

●

کاگا چوڈنہ پنجرا بسہہ تاڈر جاہ
جت پنجرے میرا سُہہ دسے ماس نہ تد کھاہ

اے کوے! میرے جسم کا گوت نہ نوچ، اگر تیرے بس کی بات ہو۔ یعنی اگر تیرے لیے یہ ممکن ہو تو از راہ کرم یہاں سے اڑ جا، مجھے چھوڑ جا کیوں کہ یہ جسم میرے محبوب حقیقی کا مسکن ہے، اس لیے تجھے اس جسم کا گوشت نہیں نوچنا یا کھانا چاہیے۔

●

فریدا محل نسکھن رہ گئے داسا آیا تل
گوراں سے نمانیاں بہن جورو حال مل
آکھیں شیخا بندگی چلن آج کہ کل

اے فرید! عالی شان محلات بھی آخر خالی ہو گئے۔ ان میں رہائش رکھنے والے آخر زمین تلے جا بسے (دفن ہو گئے) وہ قبریں جن کی کوئی قدر وقیمت نہیں وہ آخر ارواح انسانی کا مسکن بن گئیں دنیا کا یہ حسرت ناک انجام ہے۔ اس لیے اسے شیخ فرید! تو بندگی اور عبادت میں مشغول ہو کیوں کہ آخر دار الفنا سے آج یا کل کوچ کرنا ہوگا۔

●

فریدا دریا دے کنھے بگلا بیٹھا کیل کرے
کیل کریندے ہنجھ نوا چنتے باج پئے

باج پۓ تس رب دے کیلاں وسریاں
جو من چت نہ چیتنی سو گالی رب کیا

اے فرید! دریائے زیست وحیات کے کنارے روح کا بگلا لہولعب میں مشغول ہے۔ اسی شغل میں اچانک ملک الموت کے باز آپڑے۔

جوں ہی یہ موت کے باز سر پر آ جھپٹے، روح انسانی کو تمام کھیل کود بھول گئی۔ جو بات کبھی اس کے خیال میں بھی نہ آپائی تھی وہی آخر ہوئی۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی تھا۔

●

فریدا پاڑ پٹولا دھج کری کنبلڑی پہریوء
جن دیسی سہہ ملے سیئی دیس کریوء

اے فرید! اس جامہ جسم کو پھاڑ ڈال اور خرقہ فقر پہن لے۔ جن اوضاع حال کو وہ محبوب حقیقی پسند کرتا ہے تو وہی اوضاع اختیار کر۔ اپنے محبوب کی رضا وتسلیم میں ہی زندگی کی راحت کا راز پوشیدہ ہے۔

محلا ۔۔۔ ۳

کائے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہرے
نانک گھر ہی بیٹھیا سہہ ملے جے نیت راس کرے

تیسرے گوروشری گورو امرداس جی فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو کیوں ناحق اپنے کپڑے پھاڑتا ہے اور خرقہ درویشی پہنتا ہے۔ اگر تو نیک نیت ہے تو روزمرہ زندگی میں ہی تجھے خدا کا وصل گھر میں ہی (بغیر تارک الدنیا ہوئے) نصیب ہوگا۔

محلا ۔۔۔ ۵

فریدا اگر ب جنا وڈیا ئیا دھن جوبن آگاہ
خالی چلے دھنی سیو ٹبے جیو میہاہ

اے فرید! کبروغرور جن کا فخر ہے اور دولت وحسن وشباب سے وہ واقف ہیں، وہ آخر خالی روح اس دنیا کو خیرباد کہیں گے جیسے ٹیلے مینہہ کے پانی سے خالی رہ جاتے ہیں۔

●

فریدا درویشی گاکھڑی چوپڑی پریت
اک نہ کنے چالی اے درویسا دی ریت

اے فرید! درویشی اور فقیری بہت کڑی ریاضت ہے۔ ایک مشکل عبادت ہے۔ یہ کوئی ظاہرا نمایش کی محبت نہیں۔ ایک بھی مشکل سے ایسا انسان ملتا ہے جو درویشوں کی زندگی بسر کرتا ہو۔ فقر کے راہ ورسم اختیار کرتا ہو۔

●

تن تپے تنور جیوں بالن ہڈ بلن
پیری تھکا سر جلاجے موپری ملن

میرا جسم تنور کے مانند جلتا ہے۔ میری ہڈیاں اس میں ایندھن کی طرح جلتی ہیں۔ ریاضت اور عبادت اس قدر کڑی اور مشکل ہے۔ جب میں پیدل چلتے چلتے تھک جاتا ہوں تو سر کے بل چلتا ہوں تاکہ مجھے وہ محبوب حقیقی کا وصل نصیب ہو۔

●

تن نہ تپاء تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال
سر پیری کیا پھیڑیا اندر پری نہال

(گورونانک)

گورونانک صاحب فرماتے ہیں، اپنے جسم کو یوں تنور کی طرح نہ جلا۔ اس میں اپنی ہڈیوں کا ایندھن مت ڈال۔ سر اور پاؤں نے کیا بگاڑا ہے جو تو انھیں اذیت پہنچا رہا ہے۔ تو اس محبوب حقیقی کو اپنے دل میں دیکھ۔ اس کے دیدار اپنے دل میں کر اور محظوظ ومسرور رہو۔

●

ہوں ڈھو ڈیدی سجنا سجن میڈے نال
نانک الکھ نہ لکھی اے گرمکھ دیہہ دکھال

میں تو اس محبوب حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہوں لیکن وہ تو ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

گورو صاحب جی فرماتے ہیں، وہ نہ دکھائی دینے والا کیسے دکھائی دے، کیسے نظر آئے۔ اس کا جواب ہے کہ گورو کے کلام ربانی کے ذریعے وہ نظر آ سکتا ہے۔

●

کون سوا کھر کون گن کون سونیاں منت
کون سو دلیو ہو کری جت دس آدی کنت

سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سے الفاظ ہیں اور کون سی صفات ہیں اور کون سا سحر ہے، کون سا لباس ہے، کونسی پوشاک ہے جس کے ذریعہ میں اس شوہر حقیقی کو اپنے بس میں کر سکتی ہوں، کون سی وضع سے اسے مسحور کر سکتی ہوں۔ اس کا جواب گورو نانک صاحب نے اگلے شلوک میں یوں دیا ہے۔

●

نون سو اکھر کھون گن جہبا منیا منت
ایہہ ترے بھینے دیس کرتا دس آدی کنت

عجز و انکساری کے سحر انگیز الفاظ ہیں۔ حلم کے اوصاف ہیں اور زبان سے اس محبوب کا منتر منظور کرنا ہے، اس کے ہر حکم پر لبیک کہے۔

اگر یہ تین اوصاف سے آراستہ ہو اور ایسی وضع اختیار کرے تب ہی اس محبوب الٰہی کو اپنے بس میں کر سکتا ہے۔ اسے اپنا بنا سکتا ہے۔

●

مت ہووی ہوء ایانا
تا ن ہوندے ہوء نتانا

انہوندے آپ دنڈا
کو ایسا بھگت سداء

عقل سلیم رکھتے ہوئے بھی خود کو لاعلم سمجھے۔ طاقت و قدرت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کمزور سمجھے۔ نہ کچھ ہوتے ہوئے بھی ہر وقت اپنا آپ فدا کرنے پر آمادہ ہو۔

ایسی صفات کا عابد شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

●

اک پھکا نہ گالاءِ سبھنا میں سچا دھنی
ہیاؤ نہ کیہی ٹھاوِ مانک سبھ امولویں

کسی سے پھیکا اور روکھا مت بول۔ تمام دلوں میں وہ خداوند حقیقی جاگزیں ہے۔ تو کسی کے دل کو نہ دکھا کیوں کہ تمام دل بیش بہا موتی ہیں۔ کسی کے دل کو مت ٹھکرا۔

دلِ بدست آور کہ حج اکبر است

حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء

پروفیسر خلیق احمد نظامی فریدی

(ترجمہ: جناب انیس احمد فریدی فاروقی، ایم اے علیگ)

سیر الاقطاب کے مصنف نے حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر بتائی [۱] ہے مگر امیر خوردؒ نے صرف مندرجہ ذیل خلفاء کا حوالہ دیا ہے۔

(۱) شیخ نجیب الدین متوکلؒ (۲) مولانا بدرالدین اولیاء (۳) شیخ جمال الدین ہانسویؒ (۴) شیخ نظام الدین اولیاء (۵) شیخ عارفؒ (۶) شیخ علی صابرؒ (۷) مولانا فخرالدین صفاہانیؒ [۲]۔

متاخرین نے اس فہرست میں چند اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ شیخ الہ دیا اور مولانا معین الدین عبداللہؒ [۳] (مولف معارج الولایت) نے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، شیخ وہاردؒ [۴]، شیخ زین الدین دمشقی [۵]، شیخ علی [۶] شکر ریزؒ، شیخ علی شکر بارؒ، شیخ محمد سراج، شیخ جمال کاملؒ داؤد [۷] پالہی محمد شاہ غوریؒ [۸]، مولانا محمد ملتانیؒ [۹]، مولانا علی بہاری [۱۰]، محمد نیشاپوری [۱۱]، مولانا حمید الدین [۱۲]، شیخ یوسف [۱۳]، شیخ منتخب الدین [۱۴]، شیخ علی لاحقیؒ [۱۵] اور مولانا تقی الدین [۱۶] کو بھی حضرت کے خلفاء میں شامل کیا ہے۔ مگر چونکہ متقدمین سے کسی مصنف نے اس کی توثیق نہیں کی اس لیے متاخرین کی دی ہوئی اس فہرست کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کے چند سربرآوردہ اور معروف خلفاء کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ [۱۷]

آپ بابا فریدؒ کے قدیم ترین مریدوں میں سے تھے۔ حضرت شیخ جب اپنے کسی مرید کو خلافت نامہ عطا فرماتے تو شیخ جمال سے اس پر دستخط کرانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ امیر خورد نے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کیا ہے، جنھوں نے کسی طرح بابا فریدؒ سے خلافت نامہ حاصل کر لیا تھا، لیکن جب وہ شیخ جمال کے پاس دستخط کرانے کے لیے پہنچے تو انھوں نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور خلافت نامے کو چاک کر دیا۔ شیخ جمال کے اس فعل سے آزردہ ہو کر وہ بابا فریدؒ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے اس معاملے میں معذوری ظاہر کی اور فرمایا۔

''پارہ کردۂ جمال را ما نتوانیم دوخت

(ترجمہ): جمال کے پھاڑے ہوئے کو میں نہیں سی سکتا [۱۸]

بابا فرید، شیخ جمال پر بڑی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بابا فریدؒ نے محض اسی محبت وشفقت کی بناء پر ہانسی میں شیخ جمال کے یہاں بارہ سال تک قیام فرمایا تھا۔ فرماتے تھے کہ جمال ہمارا جمال (حسن) ہے۔ ایک روایت کے مطابق شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے شیخ جمال کے بدلے میں اپنے تمام مریدوں کو دینے کے لیے فرمایا تھا۔ بابا فریدؒ نے جواباً فرمایا کہ اس طرح کا تبادلہ مال میں تو ممکن ہے، مگر جمال (حسن) میں ممکن نہیں۔''

بابا فریدؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے وقت شیخ جمال ہانسی کے خطیب تھے۔ جیسا کہ پہلے تحریر ہوا، بابا فریدؒ اونچے درجے کے مریدوں سے اس بات کے متقاضی ہوتے تھے کہ وہ حکومت وقت سے اپنے تمام تعلقات بالکل منقطع کر لیں۔ چونکہ خطیب کا عہدہ ریاست کے زیر اہتمام ہوتا تھا اس لیے شیخ جمال کو

بھی یہ عہدہ ترک کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اجودھن جاتے ہوئے شیخ جمال کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ شیخ جمال نے ان سے التماس کیا کہ وہ شیخ فریدؒ کو ان کی بدحالی اور عسرت سے مطلع کردیں۔ جب شیخ نظام الدین اولیاء نے یہ پیغام پہنچایا تو شیخ فرید فرمانے لگے۔

''اور ابگوئے چوں ولایت بکسے دادہ شود اورا واجب است استمالت''۔[19]

(ان سے کہو کہ جب کسی کو ولایت دی جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ رہے)

شیخ جمال الدین نے اپنے پیرومرشد کو دیکھنے کی غرض سے سات مرتبہ اجودھن کا سفر کیا۔ جب خرابی صحت طویل سفر کرنے میں مانع ہوئی تو انھوں نے اپنی خادمہ کو بطور قاصد روانہ کیا۔ بابا فریدؒ نے خادمہ سے'' دریافت فرمایا میرا جمال کیسے ہے۔'' خادمہ نے جواباً عرض کیا'' جب سے خواجہ آپ کے مرید ہوئے ہیں، انھوں نے اپنے گاؤں، جائیداد ملکیت اور عہدۂ خطابت سب کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب وہ سخت فاقہ کشی اور مصائب میں مبتلا ہیں۔'' بابا فریدؒ اس اطلاع سے خوش ہوئے اور فرمانے لگے ''الحمدللہ! جمال اب خوش ہے۔''

شیخ جمال بڑے جید عالم تھے۔ دو کتابیں[20]، ایک دیوان فارسی اور ایک عربی تصنیف ملہمات آپ سے یادگار ہیں۔

شیخ جمال نے اپنے پیرومرشد کے حین حیات میں ہی وصال فرمایا۔

ان کی خادمہ جو ام المومنین کے نام سے مشہور تھیں، شیخ جمالؒ کے صاحبزادے مولانا برہان الدین[21] کو حضرت شیخؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں۔ مولانا برہان الدین اس وقت صغیر سن تھے۔ لیکن اس نوعمری کے باوجود حضرت شیخ نے ان کو خلافت نامہ عطا فرمایا[22] تھا، اور ہدایت فرمائی تھی کہ وہ دہلی جاکر شیخ نظام الدین کی صحبت سے استفاضہ کریں۔ خادمہ حضرت شیخ کی اس وسیع القلبی پر متعجب ہوئیں کہ کس طرح انہوں نے ایک کم سن لڑکے کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ خادمہ نے عرض کیا'' خواجہ برہان الدین بالا ہے'' (یعنی محض ایک نوعمر لڑکا ہے) حضرت نے جواب دیا'' پونم کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔'' (یعنی چودھویں کا چاند بھی پہلے چھوٹا ہی ہوتا ہے)۔

شیخ برہان الدین کچھ عرصے تک شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت میں رہے۔ لیکن اس دوران میں انھوں نے کسی کو مرید نہیں کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نظام الدین محمد کی موجودگی میں میرے لیے کسی کو مرید کرنا مناسب نہیں ہے۔[23] حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ممتاز و معروف مرید و خلیفہ شیخ قطب الدین منورؒ[24] بھی ان ہی کے صاحبزادے تھے۔

شیخ نجیب الدین متوکلؒ

آپ حضرت شیخ فریدؒ کے حقیقی برادر خورد تھے[25]۔ تحصیل و تکمیل علم کی غرض سے دہلی آئے لیکن بعد میں یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آپ کی زندگی سخت فاقہ اور عسرت میں بسر ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مجمع حاضرین سے فرمایا، شیخ نجیب الدین ۷۰ سال تک دہلی میں مقیم رہے۔ مگر ان کے پاس نہ تو کوئی جائیداد تھی اور نہ کوئی وظیفہ ملتا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ کی رضا پر راضی رہ کر خوشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ میں نے شہر میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور اسی میں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کمرہ پر ایک ٹوٹا ہوا چھپر پڑا تھا، جس میں وہ آیندہ و روندہ سے ملاقات کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کے دن چند قلندر مبارک باد دینے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نجیب

الدین کے گھر میں ان کی خاطر مدارات کے لیے اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ شیخ نے ان کے خورد و نوش کے مہیا کرنے کے لیے گھر کی کسی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے انھوں نے اپنی اہلیہ کے دامن پر نظر ڈالی۔ مگر وہ اتنا شکستہ اور پیوند لگا ہوا تھا کہ معمولی قیمت میں بھی فروخت نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر انھوں نے اپنے مصلے کی طرف دیکھا مگر اس کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ جب خاطر کے لیے کوئی چیز میسر نہیں آئی اور تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو شیخ نجیب نے محض ٹھنڈا پانی ان کو پیش کیا۔ دہلی کی ایک متقی اور فقیر منش خاتون بی بی فاطمہ اکثر شیخ نجیبؒ کے فاقہ زدہ بیوی بچوں کی امداد کیا کرتی تھیں۔

حضرت شیخ فریدؒ نے ان کو خلافت عطا فرمائی تھی، مگر ان کے مریدین کا کوئی حال محفوظ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے برادر بزرگ سے ملنے کی غرض سے انیس مرتبہ اجودھن کا سفر کیا۔ انیسویں مرتبہ جب وہ شیخ فریدؒ سے مل کر رخصت ہونے لگے تو اس مرتبہ جیسا کہ معمول تھا حضرت شیخؒ نے فاتحہ کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے اور نہ یہ دعا کی کہ برادر خورد پھر مجھ سے ملنے کے لیے یہاں آئیں۔ شیخ نجیبؒ نے اپنے برادر بزرگ کو پھر کبھی نہیں دیکھا اور حضرت شیخ کے وصال سے چند ماہ پیشتر ہی راہی ملک بقا ہوئے اور منڈا دروازے کے قریب شہر کے باہر مدفون ہوئے۔ فوائد الفواد میں دیے ہوئے دو حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علمی ذوق رکھتے تھے۔

مولانا بدرالدین اسحاقؒ

آپ دہلی کے مشہور و ممتاز عالم تھے۔ حضرت شیخ فرید نے آپ کو نجی خدمات پر مامور فرمایا تھا۔ جماعت خانے کا کل انتظام اور نگرانی آپ کے سپرد تھی۔ حضرت شیخ کی جانب سے تعویذ وغیرہ بھی آپ ہی تحریر فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ خلافت ناموں کے مسودات تیار اور تحریر کرنے کی خدمت بھی آپ ہی انجام دیتے تھے۔ حضرت شیخ بدرالدینؒ نے اپنے پیر و مرشد کے حین حیات میں ملک شرف الدین کبری مقطع دیپال پور کے سوائے کہ جن کو حضرت شیخ نے خلقۂ بیعت و ارادات میں داخل کرنے کا صریح حکم فرمایا تھا، کسی کو بھی بیعت نہیں کیا۔

شیخ اسحاقؒ نے عربی صَرف و قواعد پر ایک علمی کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام تصریف بدری تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس اس کتاب کا ایک دستخطی نسخہ تھا۔ اب یہ کتاب نادر الوجود ہے۔

حضرت شیخ فریدؒ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کو آپ کے حبالۂ عقد میں دیا تھا۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمان کے ساتھ شیخ اسحاق کے تعلقات کچھ ناخوشگوار ہو گئے تھے، اسی وجہ سے سید محمود کرمانی کی ایماء پر آپ اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے تھے اور وہاں چھوٹے بچوں کو قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اتنی گہری اور راسخ عقیدت تھی کہ ان کے وصال کے بعد آپ بھی زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکے۔ شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی بے حد تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور آپ کے ممنون کرم تھے۔ آپ نے شیخ اسحاق کے اہل و عیال کو دہلی بلایا تھا اور ان کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت میں گہرا ذوق اور ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ

آپ حضرت شیخ فریدؒ کے خلفاء میں سب سے زیادہ ممتاز اور سر برآوردہ تھے۔ تقریباً نصف صدی تک دہلی میں مصروف کار رہے۔ بقول برنی، آپ کی خدمت میں ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے اور سکون حاصل کرتے تھے۔ آپ کی بدولت چشتی سلسلہ

منتہائے عروج تک پہنچا۔ آپ کے فیض یافتہ خلفاء اور مریدین نے ملک کے تقریباً تمام بڑے اور اہم حصوں میں عملی طور پر روحانی مراکز کی بنیاد قائم کی۔ حضرت شیخ فریدؒ کے مریدین کے اخلاف واحفاد، نیز خود شیخ فریدؒ کے اعقاب نے آپ کو روحانی پیشوا تسلیم کیا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو اوائل عمری ہی سے حضرت شیخ فریدؒ سے والہانہ محبت وعقیدت تھی۔ ایک دن بدایوں کے مکتب میں آپ ایک نعت پڑھ رہے تھے کہ ابوبکر نامی ایک قوال جو ملتان اور اجودھن کا سفر کر چکا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پنجاب کے اس سفر کے دلچسپ تجربات بیان کرنے لگا۔ ابوبکر نے سب سے پہلے شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ کہنے لگا کہ شیخ کی تو باندیاں تک ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ وہ تو ناج پیستے وقت بھی اسماء الٰہی کا ورد کرتی رہتی ہیں، مگر ان واقعات کو سن کر حضرت شیخ نظام الدین کا قلب مبارک بالکل متاثر نہیں ہوا۔ ہاں جب اُس نے شیخ فرید کے تقدس اور تقوے کا ذکر کیا تو آپ کی روح مبارک میں جوش اور تحرک پیدا ہوگیا۔ آپ کو یکلخت شیخ فریدؒ سے گہری عقیدت ومحبت ہوگئی۔ اس طرح کہ آپ ہر نماز کے بعد شیخ فرید کا نام نامی زبان سے دہراتے تھے۔ حتی کہ جب تک آپ شیخ کا تصور نہیں کر لیتے تھے، اپنے بستر پر سونے کے لیے نہیں جاتے تھے۔ جب آپ کے احباب کو اس کا علم ہوا تو ایک موقع پر انھوں نے آپ کو حضرت شیخ فرید سے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا۔ مسلسل چار سال یوں ہی بیت گئے۔ جب آپ کا سن ١٦ سال کا ہوا تو تکمیل علم کے لیے آپ نے دہلی جانے کا قصد کیا تاکہ دارالسلطنت کے مشہور و معروف علماء وفضلا کی صحبت میں رہ کر شرف تلمذ حاصل کریں۔ عوض نامی ایک معمر شخص آپ کے ہمراہ تھے۔ عوض، حضرت شیخ فرید کی روحانی عظمت کے قائل تھے اور راسخ الاعتقاد تھے۔ دورانِ سفر میں جب کبھی رہزنوں یا وحشی جانوروں سے ذرا سا بھی خطرہ ہوتا تو وہ بے ساختہ زور سے چلاتے۔

اے پیر دوڑو، ارے پیر، ہم آپ کی حفاظت اور نگہداشت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔[٢٦]

شیخ نظام الدینؒ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ کون سے بزرگ ہیں جن سے یہ عرض کر رہے ہیں۔ عوض سے دریافت کیا تو انہوں نے بڑے ادب سے شیخ فرید کا نام لیا۔ اجودھن کے عظیم المرتبت بزرگ پہلے ہی آپ کے دن کا تصور اور رات کا خواب بنے ہوئے تھے۔ عوض نے جب ان کا حوالہ دیا تو شیخ نظام الدین کی عقیدت و جذبات کے شعلے اور بھی بھڑک اٹھے۔

عجیب اتفاق ہے کہ دہلی پہنچ کر وہ اسی سرائے میں ٹھہرے جو شیخ فریدؒ کے برادر خورد شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے بالکل پڑوس میں واقع تھی۔ شیخ نظام الدین اکثر شیخ نجیب کے مکان پر جاتے تھے اور ان سے گہرے روابط پیدا کر لیے تھے۔

شیخ نظام الدینؒ نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تعلیم حاصل کی اور جلد ہی دہلی کے علمی حلقوں میں اپنا مخصوص ومنفرد مقام پیدا کر لیا۔ ایک دن وہ شیخ نجیب الدین کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میرا تقرر قاضی کی حیثیت سے ہوجائے۔ شیخ نجیب الدین، جن کو اس نوعمر عالم کی پیشانی پر روحانی عظمت کے آثار نظر آرہے تھے، بڑے اہم انداز میں فرمانے لگے ''خدا نہ کرے کہ تم قاضی مقرر ہو جاؤ۔''

شیخ نجیبؒ کی صحبت میں شیخ نظام الدینؒ کو حضرت شیخ فریدؒ سے روز افزوں محبت اور عقیدت ہوتی گئی۔ ایک دن وہ یک لخت بغیر کسی ساز وسامان کے اجودھن کے سفر کے لیے تیار ہو گئے۔[٢٧] ٦٥٥ ہجری مطابق ١٢٥٧ عیسوی میں کسی چہار شنبہ کو انہوں نے حضرت شیخؒ سے ملاقات کی۔ حضرت شیخ کو ان کی شخصیت میں اپنا ہی نہیں، بلکہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دوسرے چشتی

اسلاف کا حقیقی روحانی وارث و جانشیں نظر آیا۔ آپ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے ان کا استقبال کیا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ نظام الدین جن کے قلب میں جذبات کا دریا موجزن تھا، مشکل ہی سے یہ بتانے کی ہمت کرسکے کہ حضرت شیخ سے ملنے کا ان کو کتنا اشتیاق تھا۔ شیخ کے رعب سے آپ کانپ رہے تھے۔ بمشکل تمام زبان سے یہ جملہ ادا ہوسکا۔

اشتیاق پابوس عظیم غالب بودہ است

لِكُلِّ دَاخِلٍ وَهْشَةٌ "(ہر نئے آنے والے کو گھبراہٹ ہوتی ہے) شیخ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ اسی دن شیخ نظام الدین حضرت شیخ فریدؒ کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے اور اپنا سر منڈوایا۔

حضرت شیخ کے جملہ مریدین، جو جماعت خانے میں رہتے تھے، عموماً زمین پر ہی سوتے تھے۔ مگر حضرت شیخ نے شیخ بدرالدین اسحاقؒ کو حکم دیا کہ وہ دہلی سے آئے ہوئے اس نوجوان مرید کے لیے چارپائی مہیا کریں۔ اس طرح شیخ نے ان کی عزت افزائی فرمائی۔ شیخ نظام الدین کو چارپائی پر سونے میں بڑا تامل ہوا کیونکہ بہت سے علماء و حفاظ زمین پر سو رہے تھے۔ لیکن شیخ بدرالدین نے کہا کہ حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل ہر بات پر مقدم ہے۔

بیعت ہونے کے بعد شیخ نظام الدینؒ نے اپنے پیر و مرشد سے عرض کیا۔ کیا مجھے تعلیم ترک کر کے عبادات اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوجانا چاہیے۔ شیخ نے فرمایا میں کبھی کسی سے اس بات کا طالب نہیں ہوتا کہ وہ سلسلۂ تعلیم منقطع کردے۔ دونوں کو جاری رکھو۔ آخر میں جس کو غالب دیکھو، اسی میں مشغول ہوجاؤ۔ درویش کے لیے کچھ علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

ایک اور اہم اور قابل قدر نصیحت جو شیخ نے اپنے نوجوان مرید کو کی، وہ یہ تھی کہ دشمنوں کو نرم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور حقوق کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ جب شیخ نظام الدین اجودھن سے واپس آئے تو سب سے پہلے ایک پارچہ فروش کا قرضہ جو اُن پر واجب تھا، ادا کیا۔ پھر ایک کتاب جو کسی سے انہوں نے مستعار لی تھی اور گم ہوگئی تھی، اس کی قیمت ادا کی۔

حضرت شیخ کے زمانۂ حیات میں شیخ نظام الدین تین مرتبہ اجودھن حاضر ہوئے۔ دوسری مرتبہ جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ سے چھ پارے قرآن مجید تجویداً پڑھے، پانچ باب عوارف المعارف کے اور دو دوسری کتابیں پڑھیں۔ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ ہجری مطابق ۱۲۶۵ء میں شیخ نظام الدین آخری مرتبہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ بڑی شفقت سے پیش آئے اور بہت سی دعائیں دیں۔ فرمایا "میں نے دونوں جہان تمہیں بخش دیے ہیں۔ جاؤ اور ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرلو"۔

۱۱ر رمضان المبارک ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء کو حضرت شیخ فریدؒ نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا، جنھوں نے تاحیات چشتی سلسلے کی تعلیمات نیز تصوف و درویشی کے اصول کی اشاعت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ برنی نے حضرت شیخ نظام الدینؒ کی شہرت اور مقبولیت اور اثرات کا جو مفصل تذکرہ کیا ہے، وہ پورا نقل کرنے کے قابل ہے۔

شیخ نظام الدین کا دروازہ ہر خاص و عام کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ہر قسم کے اشخاص خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، امیر ہوں یا جاہل، شہری ہوں یا دیہاتی، سپاہی ہوں یا جنگجو، آزاد ہوں یا غلام، آپ کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل ہوسکتے تھے۔ یہ لوگ ممنوع اور ناجائز باتوں سے احتراز کرتے تھے کیونکہ وہ اپنے کو حضرت شیخ کا مرید تصور کرتے تھے اور اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد

ہو جاتا تو وہ اس کا اعتراف کرتا تھا اور اطاعت کا از سر نو عہد کرتا تھا۔ عوام الناس اطاعت وعبادت کی طرف مائل نظر آتے تھے۔ مرد اور عورتیں، جوان اور بوڑھے، دوکاندار اور ملازم، بچے اور غلام سب کے سب نماز ادا کرنے آتے تھے۔ ان میں بہت سے، جو حضرت شیخ کے ہمراہ روزانہ نماز ادا کرنے آتے تھے، چاشت اور اشراق بھی پڑھتے تھے۔ شہر سے غیاث پور جاتے ہوئے راستہ میں بہت سے ایسے چبوترے بنائے گئے تھے جن پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ بہت سے کنویں کھدوائے گئے، پانی کے برتن رکھے گئے، فرش بچھائے گئے اور ہر چبوترے پر ایک حافظ اور خادم مقرر کیا گیا تاکہ حضرت شیخ سے ملنے والوں کو نمازیں ادا کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ پیر و مرشد کے ادب واحترام کی وجہ سے گناہ سے متعلق کوئی بات کرنے کی مجال نہ تھی۔ اب موضوع گفتگو معصیت نہ تھا، بلکہ نماز، اوابین، چاشت اور تہجد کے بارے میں لوگ باتیں کرتے نظر آتے تھے۔ یعنی یہ کہ ان نمازوں میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں، ہر رکعت میں کون سی سورت پڑھی جاتی ہے، ان نماوں کے بعد کون کون سی دعائیں پڑھی جانی چاہییں۔ حضرت شیخ ہر رات کتنی رکعت نماز ادا فرماتے ہیں اور ہر رکعت میں قرآن مجید کی کون سی سورت اور کون سا درود شریف پڑھتے ہیں؟ شیخ بختیارؒ اور شیخ فریدؒ کا کیا معمول تھا۔ جدید مریدین پرانے مریدوں سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے۔ وہ نماز، روزہ اور تقلیل غذا کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت شیخ اپنے نئے مریدوں کو پرانے مریدوں کے سپرد فرماتے تھے۔ پرانے مریدوں کا مشغلہ عبادت اور ریاضت کے سوا کچھ نہ تھا۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر عقائد سے متعلق کتابیں یا بزرگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے تھے، خدانہ کرے کہ وہ دنیاوی معاملات سے متعلق گفتگو کریں یا دنیاداروں کے گھروں کی طرف رخ کریں۔ کیونکہ ان باتوں کو وہ غلط سمجھتے تھے اور گناہ جانتے تھے۔ زائد یا نفل نمازوں کی مداومت میں اس درجہ غلو تھا کہ سلطان کے دربار کے بہت سے امراء، محاسب، منشی، محافظ اور شاہی غلام، حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے تھے۔ یہ لوگ چاشت اور اشراق تک ادا کرتے تھے۔ ہر قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو (ایام بیض میں) روزہ رکھتے تھے۔ نیز ذی الحجہ کے عشرہ اول میں روزہ رکھتے تھے۔ شہر کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ تھا جس میں صلحاء واتقیا کا مجمع ہر بیس روز میں یا ہر ماہ میں نہ ہوتا ہو اور اس میں صوفیانہ اشعار نہ سنائے جاتے ہوں اور لوگوں پر رقت طاری نہ ہوتی ہو۔ شیخ کے اکثر مریدین مسجدوں میں یا گھروں میں نماز تراویح ادا کرتے تھے، جو لوگ قائم اللیل تھے، وہ رمضان کے پورے مہینے میں جمعہ کے دن اور ایام حج میں اکثر پوری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ذرا بڑے مرتبے کے مریدین تمام سال رات کے تہائی یا تین چوتھائی حصے تک بیدار رہ کر عبادت کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کچھ مریدین نے عبادت کے ذریعے اپنا منفرد روحانی مقام حاصل کر لیا۔

حضرت شیخ کے زیر اثر ملک کے اکثر مسلمانوں کا رجحان تصوف، ترک دنیا اور عبادت و ریاضت کی طرف ہو گیا۔ وہ شیخ سے گہری عقیدت وارادت رکھنے لگے۔ شہنشاہ علاء الدین اور اس کے اہل خانہ کی راسخ عقیدت اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ اعمال صالحہ کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں خوبیاں جلوہ گر ہونے لگیں۔ شراب، جوا اور دوسری حرام چیزوں کا ذکر بھول کر بھی ان کی زبان پر نہ آتا تھا۔ گناہوں اور دوسری برائیوں سے لوگوں کو اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ وہ اس کو کفر اور نافرمانی سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے لحاظ کی وجہ سے لوگ احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے احتراز کرتے تھے۔ خوف کی وجہ سے دکانداروں نے جھوٹ بولنا کم یا غلط تولنا اور لوگوں کو دھوکا دینا چھوڑ دیا تھا۔ اکثر علماء وفضلا جو

حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر رہتے تھے، محض تصوف وعقائد ہی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔قوۃ القلوب، احیاء العلوم، اور اس کا ترجمہ عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ نیز قاضی حمید الدین ناگوری کی تصانیف لوائح اور لوامع جیسی کتابوں کے بہت سے خریدار نظر آتے تھے۔ اسی طرح امیر حسن کی فوائد الفواد، حضرت شیخ کے ملفوظات اور اقوال کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے بکثرت فروخت ہونے لگی۔ لوگ کتب فروشوں سے عقائد سے متعلق کتابوں کو دریافت کرتے تھے۔ کوئی بھی رومال ایسا نہ تھا جس میں مسواک اور کنگھی بندھی ہوئی نظر نہ آتی ہو، نمازیوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ پانی اور چمڑے کی مشکوں کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ مختصر یہ ہے کہ خالق اکبر نے حضرت شیخ کو زمانہ مابعد میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کا ہم رتبہ پیدا فرمایا تھا اور حضرت کو اس عشق حقیقی سے مزین فرمایا تھا جس کو عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین جامع صفات و کمالات بزرگ تھے اور جادۂ تصوف کی رہنمائی کا فن آپ کی ذات پر ختم اور مکمل ہو گیا تھا۔

ہر سال ۵ محرم کو جو حضرت شیخ الاسلام شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کا یوم وصال ہے، لوگوں کی بڑی تعداد شہر سے اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر حضرت شیخ کے مکان پر جمع ہوتی تھی۔

حضرت شیخ فرید نے فرمایا تھا ''نظام الدین تم ایک ایسا درخت ہو گے جس کے سکون بخش سائے میں لوگ آرام کریں گے''۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ نے اپنے پیرو مرشد کی ان توقعات اور امیدوں کو سچا اور پورا کر دکھایا[۲۸]۔

شیخ علاء الدین علی بن احمد صابرؒ

آپ چشتی سلسلے کی صابری شاخ کے بانی و موسس تھے۔ آپ کو شیخ فریدؒ کے مشہور خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس عظیم المرتبت بزرگ کا ابتدائی تذکرہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے کسی کتاب میں آپ کا حوالہ نہیں دیا۔ شاہجہاں کے دور حکومت سے آپ کے بعض واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ اسی زمانے میں سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کا تذکرہ کیا ہے اور ان حالات کا ذکر بھی کیا ہے جن میں آپ کی وفات کے سالہا سال بعد آپ کے مزار کا کلیر میں پتا چلایا تھا[۲۹]۔ بہرحال صابری سلسلہ تاریخ کی روشنی میں اسی وقت آیا جب شیخ احمد[۳۰] عبدالحقؒ (المتوفی ۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۳ء نے ردولی ضلع بارہ بنکی میں تصوف اور روحانیات کا ایک عظیم مرکز قائم فرمایا اور اس سلسلے کی تعلیمات کی اشاعت عام فرمائی۔

شیخ عارفؒ

فوائد الفواد[۳۱] اور سیر الاولیاء[۳۲] میں آپ کا سرسری اور اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ نے ان کو سیوستان روانہ فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ اچ کے گورنر نے آپ کو ایک سو ٹنکے سپرد کیے اور حضرت شیخ فریدیؒ کی خدمت پیش کر دینے کی ہدایت کی۔ شیخ عارف نے صرف ۵۰ ٹنکے حضرت شیخ کو پیش کیے اور بقیہ اپنے پاس رکھ لیے۔ جب وہ شیخ کے پاس پہنچے تو شیخ مسکرا کر فرمانے لگے، عارف! تم نے اس رقم کی برادرانہ تقسیم کی ہے۔ عارف یہ الفاظ سن کر بڑے پشیمان اور نادم ہوئے اور پوری رقم شیخ کے سامنے رکھ دی اور معافی چاہی۔ بابر فریدؒ نے ان کو سر منڈوانے کی ہدایت فرمائی اور ارادت کی تجدید کی گئی۔ اس توبہ وتجدید کے بعد شیخ عارف گہری عقیدت اور ارادت کی زندگی گزارنے لگے۔ حضرت شیخ نے ان کو خلافت نامہ عطا فرمایا اور دوبارہ سیوستان چلے جانے کا حکم فرمایا۔ خلافت نامہ حاصل کرنے کے بعد وہ پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ بڑی ذمہ داری کا

کام ہے اور اکابر شیوخ ہی اس کو انجام دے سکتے ہیں۔ مجھ جیسا کمزور وناتوان اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ نے ان کو مکہ مکرمہ جانے کی اجازت عطا فرمائی، جہاں سے وہ پھر کبھی واپس نہیں آئے۔

حواشی

۱۔ سیر الاقطاب ص ۱۷۵
معین الدین عبداللہ (معارج الولایت قلمی جلد:۱ ص ۲۶۷، شیخ فرید کے خلفا کے بارے میں عجیب بیانات دیتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق بابا فریدؒ کے ......۰۰۰,۱۰ بری، ۰۰۰,۱۸ بحری، ۴۰۰ سماوی، ۴۰۰ فضائی، اور ۴۰۰ کوہ قاف پر خلفاء تھے۔ یہ بیان توہمات سے پُر ہے اور ہمارے التفات کے لائق نہیں۔

۲۔ سیر الاولیاء (ص ۱۸۵۔۱۶۷)
سیر الاولیاء ص ۳۴۵ پر شیخ فخر الدین صفاہانی کا نام بہ سبیل تذکرہ دیا گیا ہے۔ مفصل حالات نہیں ملتے۔ وہ بلگرام میں سکونت رکھتے تھے۔ شیخ کے ایک اور خلیفہ شیخ واحد تھے۔ سید محمد گیسودرازؒ۔ ان کو بابا فرید کا خلیفہ تحریر فرماتے ہیں (جوامع الکلم) مگر ان بزرگ کے بھی مفصل حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

۳۔ آپ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کے مخصوص خلفاء میں تھے۔ بقول اللہ دیا، انھوں نے بابا فرید سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ لیکن متقدمین نے اس قول کی تصدیق نہیں کی۔

۴۔ سیر الاقطاب (ص ۱۷۷) مگر متقدمین سے کسی نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

۵۔ سیر الاقطاب (ص ۱۷۷) بقول معین الدین عبداللہ، شیخ زین الدین بابا فرید کے اخلاف میں تھے۔ (معارج الولایت قلمی جلد اول، ص ۲۸۳)

۶۔ سیر الاقطاب کے سوا کسی کتاب میں شیخ علی شکر ریز، شیخ علی شکر بار، شیخ محمد سراج اور شیخ جمال کامل کا ذکر نہیں ملتا۔ بقول معین الدین عبداللہ، غالباً شیخ علی صابر اور شیخ علی لاحقی ہی، شیخ علی شکر ریز، اور شیخ علی شکر بار کے نام سے مشہور ہوئے (معارج الولایت جلد اول، ص، ۲۶۷)۔

۷۔ مولانا داؤد پالہی مشہور مرید و معتقد تھے مگر شیخ فرید کے خلفاء میں نہ تھے۔ مختلف تذکروں میں آپ کے زہد و تقویٰ کی تعریف کی گئی ہے۔ کتب تصوف میں ان کے بارے میں خیر المجالس (ص ۱۱۹۔۱۱۸) اخبار الاخیار (ص ۷۰) گلزار ابرار (قلمی) اور معارج الولایت قلمی جلد اول، ص ۲۵۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

۸۔ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء دونوں نے ان کو شیخ فریدؒ کا مخلص اور معتقد بیان کیا ہے۔ شیخ نے ان کو خلافت عطا نہیں فرمائی۔

۹۔ مولانا محمد ملتانی کا نام فوائد الفواد ص ۵۵ پر مذکور ہے۔ کبھی کبھی وہ شیخ فرید کے جماعت خانے میں آتے تھے۔ معاصرین میں سے کسی نے معین الدین عبداللہ کے اس قول کی کہ وہ شیخ کے خلفاء میں سے تھے، تصدیق نہیں کی۔ (معارج الولایت ص، ۲۵۷)۔

۱۰۔ مولانا علی بہاری کا سرسری حوالہ فوائد الفواد میں ملتا ہے۔ نہ معلوم معین الدین عبداللہ نے کس بنیاد پر ان کو شیخ کے خلفاء میں شامل کر دیا ہے، یہ کہ وہ شیخ کے محبوب خلیفہ تھے اور اسی وجہ سے انھوں نے قبرستان میں جا کر شیخ کی صحت یابی کے لیے دعا کی تھی، ان کا خلیفہ ہونا ثابت نہیں کرتا۔

۱۱۔ محمد نیشاپوری، متقدمین نے ان کو شیخ کا مرید تحریر کیا ہے

(فوائد الفواد ص ٧٦) لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خلافت پر فائز تھے۔

١٢۔ مولانا حمید الدین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شیخ سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ نے ان کو کسی گاؤں میں قیام کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ ''تو دراں دیہ برد، ساکن شو کہ تو ایں زمان مثل ستارہ شدی کہ ستارہ در مقابل مہتاب نور ندہد تو دراں دیہ بردساکن شو'' (فوائد الفواد، ص ٢٠٥)

١٣۔ شیخ یوسف (فوائد الفواد ص ٣٢-٣١) سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ نے کوئی روحانی خدمت ان کے سپرد نہیں کی۔

١٤۔ شیخ منتخب الدین، آپ کا خلیفہ ہونا قرین قیاس ہے اگرچہ متقدمین میں سے کسی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے۔ بقول امیر خورد، جب بابا فریدؒ نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا تو ہدایت فرمائی کہ وہ اس کو ہانسی میں شیخ جمال الدین کو اور دہلی میں قاضی شیخ منتخب کو دکھا دیں۔ (سیر الاولیاء ص ١١٦) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ منتخب ان قدیم خلفاء میں سے تھے جن پر شیخ کو پورا اعتماد تھا۔ بقول معین الدین عبداللہ وہ مولانا برہان الدین غریب کے برادر بزرگ تھے اور اپنے پیرو مرشد کے حکم سے دیوگیر میں قیام کرتے تھے۔ (معارج الولایت ص ٦٢-٢٦١)۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف روضۂ اولیاء میں شیخ منتخب الدین کا تذکرہ معارج الولایت کی بنیاد پر کیا ہے۔

١٥۔ شیخ علی لاحقی۔ معارج الولایت (ص ٦٧-٢٦٦) پر شیخ علی لاحقی کا مبہم سا تذکرہ دیا گیا ہے۔ اسی کی نقل بعد کے مصنفین نے کی ہے۔ مثلاً خزینۃ الاصفیاء جلد اول (ص ٣١٤)۔

١٦۔ شیخ تقی الدین معین الدین عبداللہ نے ان کو مولانا داؤد پالا ہی کا بھائی بتایا ہے۔ (معارج الولایت ص ٢٦٨)۔

١٧۔ سوانح حیات کے لیے فوائد الفواد ص ٤٢ و ٤٥ سیر الاولیاء ص ١٨٤-١٧٨، جوامع الکلم ٢٣٣ اخبار الاخیار ص ٦٨-٦٧، گلزار ابرار قلمی، مراۃ الاسرار قلمی ص ٨٧-٥٨٥ جواہر فریدی قلمی، معارج الولایت قلمی جلد اول ص ٥٢-٢٥٠ کا مطالعہ کیا جائے۔ سیر الاقطاب صفحہ ٧٠ کے قصے ناقابل اعتبار ہیں۔

١٨۔ پارہ کردۂ جمال را ما نتوایم دوخت، سیر الاولیاء ص ١٧٩۔ متاخرین نے اس واقعہ سے متعلق بے بنیاد قصے اختراع کر لیے ہیں بعض کا قول ہے کہ کلیر ضلع سہارنپور کے مشہور بزرگ کا خلافت نامہ شیخ جمال نے چاک کر دیا تھا۔ چشتی سلسلہ کی صابری شیخ اسی وجہ سے عرصہ دراز سے شیخ جمال کی مخالف رہی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب یہ قضیہ ختم ہو چکا ہے۔

١٩۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے لفظ استمالت کی تشریح اس طرح کی ہے۔

توجہ القلب الی اللہ من کل الوجوہ

(ماسوا اللہ کے ہر چیز سے قلب کو پھیر لینا)

٢٠۔ یہ دیوان دو جلدوں میں ہے۔ ایک غزلوں پر، دوسری قطعات ورباعیات پر مشتمل ہے۔ ملہمات ١٣٠٦ھ میں الور میں طبع ہوئی۔ اقوال تصوف سے بھرپور ہے۔

٢١۔ شیخ جمال کے دولڑکے تھے۔ بڑے لڑکے مجذوب تھے۔ کبھی حالت صحو میں ہوتے تو عقلمندی کی باتیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء سے کہا ''العلم حجاب الاکبر'' جب ان سے اس کے معنی دریافت کیے گئے تو کہنے لگے ''علم حقیقت سے ممیز و ممتاز ہے اور جو کچھ حقیقت سے ممتاز ہے، پردہ ہے''۔

۲۲۔ شیخ فرید نے ان کو مصلّٰی اور عصا مرحمت فرمایا تھا۔ یہ شیخ جمال کی ملکیت تھی۔ شیخ نے فرمایا تھا "تم کو وہی حقوق حاصل ہیں جو تمہارے والد کو تھے"۔

۲۳۔ وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ جب وہ دہلی آتے تو شیخ نظام الدین ان کو چارپائی عطا فرماتے تھے لیکن احتراماً وہ کبھی جماعت خانے میں چارپائی پر نہیں سوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ شیخ سے ملنے جاتے تو نئے کپڑے پہنتے اور ان پر عطر ملتے تھے۔ (سیر الاولیاء ص۸۳۔۱۸۲)

۲۴۔ وہ محمد بن تغلق کے عہد میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور شیخ شمس الدین یحییٰؒ کے ہم عصر تھے۔ ان بزرگوں نے چشتی سلسلہ کی دیرینہ روایات کو بڑے نازک دور میں قائم رکھا تھا۔ ان تینوں بزرگوں نے سلطان کے احکام کی ذرہ بھر پروا نہیں کی۔

۲۵۔ شیخ فریدؒ کے بھائیوں کے نام مولانا جمالی نے سیر العارفین ص۳۳، پر دیے ہیں۔ ان کے سب سے بڑے بھائی کا کھتوال میں انتقال ہوا۔ بقول امیر خورد شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی بدایوں میں رہتے تھے۔

۲۶۔ چنانچہ اکثر بزرگوں نے چوروں اور قزاقوں سے حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل شعر لکھ کر تعویذ کے طور پر دیا ہے۔

الٰہی بحق شکر گنج شاہ نگہدار مارا ز دزدان راہ

(مترجم)

۲۷۔ دیکھو نفحات الانس صفحہ ۲۵۲۔

شیخ نظام الدین نے پوری رات دہلی کی قدیم جامع مسجد میں گزاری۔ صبح کو موذن کی زبان سے انھوں نے یہ آیت سنی۔ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ (کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے لرز جائیں) اس کے بعد آپ نے اجودھن کا قصد کیا۔ شیخ فرید کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

۲۸۔ مختصر حالات کے لیے دیکھو اخیار الاخیار ص، ۶۹۔ سیر الاقطاب ص ۱۷۷۔۱۸۴، مراۃ الاسرار (قلمی) ص ۶۲۶۔۶۳۱۔ معارج الولایت (قلمی) جلد اول ص ۲۶۴۔۲۶۳۔

۲۹۔ سیر الاقطاب ص۱۸۳۔ کلیر، ضلع سہارنپور میں رڑکی کے نزدیک واقع ہے۔

۳۰۔ مختصر حالات کے لیے: سیر الاقطاب ص۲۲۲۔ ۲۱۵، اخبار الاخیار ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، مرآۃ الاسرار (قلمی) ص۹۱۷۔

۳۱۔ فوائد الفواد ص۲۱۶۔۲۱۵

۳۲۔ سیر الاولیاء ص۱۸۴۔۱۸۵

☆☆☆

شیخ شیوخ العالم

حضرت مولانا سید محمد مبارک علوی عرف امیر خورد کرمانی

امیر خورد کرمانی علیہ الرحمہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے۔ اور انھوں نے اپنے پیرومرشد اور ان کے بزرگان سلسلہ اور پیر بھائیوں کے احوال وکوائف کو ''سیر الاولیاء'' نامی کتاب میں قلم بند کیا ہے۔ ذیل میں سیر الاولیا کے اس باب کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس میں مولانا کرمانی نے شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا ذکر خیر کیا ہے۔ (حسن ثانی نظامی)

وہ سلطان العارفین، وہ برہان العاشقین و المحققین، وہ پیشوائے اصحاب دین ومقتدائے ارباب یقین، وہ گنج عالم عزلت وہ گنجینۂ سرائے دولت، وہ سرور اقلیم اعظم، وہ قطب اقطاب عالم یعنی شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین، ملجاء فقراء والمساکین، مسعود دین سلیمان کہ جو سعادت ابدی اور دولت سرمدی تک پہنچے ہوئے تھے اور علم میں اور تقوے میں اور ورع اور ترک وتجرید اور عشق وبکا اور ذوق کلام محبت و اشارات ورموزات میں بےنظیر زمانہ اور اپنے عہد دولت میں یگانہ تھے اور میدان کرامت سے اور سروران عالم سے گوے سبقت لے گئے تھے اور یہ بادشاہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کے خلیفہ تھے اور ان کی باعظمت جناب سے مجاز مطلق قرار پائے تھے۔ زہے بلند ہمتی ورفعت ودرجت کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے سوائے عشق ذات باری، کسی چیز کی طرف مائل نہ ہوئے اور اس عہد میں کہ ان کی ذات مبارک کے وجود سے عالم، باغ ارم کی طرح آراستہ تھا اور اس جیسے شہر یعنی دہلی میں جو دنیا کا قبۃ الاسام ہے اور بندگان خدائے تعالیٰ میں ایسے مشائخ تھے جو مقامات وکرامات کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے اور کھلواتے تھے اور انھیں کھولتے تھے اور ایسے علماء تھے جو معانی کے نازک اور باریک نکتوں سے استنباط کرتے تھے

اور متوسط درجے کے لوگ خوشحالی اور خوش آلی میں مگن رہتے تھے اس قدر کہ مخلوق کا کوئی طبقہ بھی کسی طرح اس راحت کے زمانے میں خوش خوئی اور خوش دلی کے سوا کام نہ رکھتا تھا۔ یہ عالم حقیقت کے بادشاہ ایسے دور میں اپنی مرضی سے سب چیزوں کو چھوڑ کر پوری طرح دوست کی طرف رجوع ہوئے اور ایسے شہر سے علیٰحدگی اختیار کی اور بیابان وجنگل کو دین کے شیروں کی طرح اپنی کچھار بنایا اور نان درویشانہ اور جامہ فقیرانہ پر قناعت فرمائی۔ ہر چند کہ انھوں نے خود کو چھپایا۔ لیکن اس بادشاہ کے حسن معاملہ کے چرچے کونین میں پہنچا دیے گئے اور روز قیامت تک ان چرچوں کے غلغلے جیسا کہ ملاء اعلیٰ میں ہیں، اس جہاں میں رہیں گے اور عالم ان کے نام پر اور ان کے فرزندوں کے وجود سے کہ جن میں سے ہر ایک دریائے کرامت کا موتی ہے اور دودمان رحمت سے ہے اور ان کے بندگانِ (درگاہ) سے جو آنحضور کے شرف اتصال سے متصل ہیں، قیامت کے قائم ہونے تک روشن اور منور رہے گا۔ کسی بزرگ نے اچھا کہا ہے۔

البدر یطلع من فرید جبینہ والشمس تغرب فی شقاق خلہ
ملک الجمال باسرہ فکانّما حسن البریتہ کلہ من عندہ

اس کی فرید (بےمثل) پیشانی سے چودھویں کا چاند

طلوع ہوتا ہے۔ اور سورج اس کے رخساروں کے گلہائے لالہ میں غروب ہوتا ہے۔ وہ سارے حسن کا بادشاہ ہے گویا کہ دنیا کے حسن کی ساری خوبیاں اسی سے ہیں۔

اے سرور اولیائے عالم   اے قبلۂ اصفیائے اکرام
روئے تو کہ آفتاب حسن است   پیدا شد از و ضیائے عالم

اے اولیائے عالم کے سردار، اے مہربان تر اصفیاء کے قبلہ (وکعبہ) تیرا چہرہ جو حسن کا آفتاب ہے، اسی سے دنیا کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔

ہر چند کہ یہ بے چارہ ان کے اوصاف کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا ہے۔ تھاہ نہیں پاتا۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ع

بدریائے درافتادم کہ پایانش نمی بینم

اس دریا میں۔ گرا ہوں کہ جس کا اور چھور مجھے نظر نہیں آتا۔

اس فقیر کی کیا مجال کہ اس اہل یقین کے بادشاہ کی ولایت کے اوصاف جمال بیان کرے۔

وصف جمال چوں توئی نیست حد بیان من
من چہ صفت کنم ترا اے تو چنانکہ ہم توئی

تجھ جیسے کے جمال کا وصف ہے۔ میرے بیان کی کوئی حد نہیں۔ میں تیری کیا تعریف کروں جب کہ تو اپنی مثال آپ ہی ہے۔

اس کے سوا چارہ نہیں کہ دعا کروں اور گزر جاؤں یہ ضعیف عرض کرتا ہے۔ رباعی:

جہاں تا قیامت بنام تو باد   فلک بامہ وخور غلام تو باد
بکام دل وجان عشاق تو   شراب محبت ز جام تو باد

دنیا قیامت تک تیرے نام پر رہے۔ آسمان چاند سورج کے ساتھ تیرا غلام ہو۔ تیرے عاشقوں کے کام دل و جان میں محبت کی شراب تیرے جام سے پہنچتی رہے۔

پہلا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کے حسب نسب کا بیان

دنیا کے صاحب دل سنیں کہ اہلِ دین کے بادشاہ، فرخ شاہ عادل کامل کے بادشاہ خاندان سے تھے اور جس زمانے میں مملکت دنیا کی باگ فرخ شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ سب علاقوں کے بادشاہ ان کے مطیع تھے اور مملکت کابل غزنی کی مملکت سے زیادہ تھی۔ جب حوادث روزگار سے مملکت کابل میں خلل آیا (یہ مملکت) شاہان غزنین کے ہاتھ آگئی اور فرخ شاہ کے فرزند کابل ہی میں اپنے اسباب واملاک میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ چنگیز خاں نے خروج کیا اور ملک ایران وتوران کو تہہ تیغ وتاراج کر کے لشکر کو بجانب مملکت غزنین لایا۔ جب کابل پہنچا تو اس دیار کو بھی قبضہ کر کے برباد کیا اور شیخ شیوخ عالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جد بزرگوار نے کفار کی جنگ میں شہادت پائی۔ اس کے بعد جدّ بزرگوار شیخ شیوخ العالم قاضی شعیب تین لڑکوں اور ماتحتیں وخاندان وعیال کے ساتھ دیار لاہور میں تشریف لائے اور قصبہ قسور (قصور؟) میں اترے۔ قسور کے قاضی جو عدل و انصاف اور مروّت اور مردمی میں زمانے کے قاضیوں کا فخر تھے، انھوں نے پہلے سے شیخ شیوخ العالم کے خاندان کی عظمت وبزرگی کا حال سن رکھا تھا۔ جب ان بزرگوں کو دیکھا تو جو کچھ سنا تھا، اس کا مشاہدہ بھی کرلیا۔ سنائی نے اچھا کہا ہے۔ شعر:

انچہ گوش از کمال خواجہ شنید   چشم از وصد ہزار چنداں دید

کان نے جو کچھ خواجہ کے کمال کے بارے میں سنا تھا، آنکھ نے اس سے سو ہزار گناہ زیادہ دیکھا۔

ان آنے والوں کے قدموں کو (قاضی صاحب نے) ایک سعادت جانا اور بڑی تعظیم سے پیش آئے اور خوب خاطر داریاں کیں اور بادشاہ وقت کو ان بزرگوں کی آمد کا جو کمال علم و جمال حلم سے آراستہ تھے اور ان کے خاندان کی عظمت و کرامت کا حال لکھا۔ بادشاہ نے تعظیم و تکریم کے ساتھ ان بزرگوں کی خدمت میں فرمان بھیجا کہ جو خدمت دنیوی اور دینی مجھ سے چاہیں، میں تیار ہوں۔ مصرع

رضائے دوست مقدم بر اختیار من است

دوست کی مرضی میرے اختیار پر مقدم ہے

اس کے بعد شیخ شیوخ العالم فریدالدین کے دادا نے فرمایا کہ ہمیں دنیا کی کوئی چیز مطلوب نہیں ہے۔ جو ہم سے چھن چکی، اس کے پیچھے ہم نہیں پڑتے۔ پھر کھتوال کا عہدۂ قضاء جو ملتان سے نزدیک ہے، شیخ شیوخ العالم کے دادا قاضی شعیب کو تفویض ہوا اور انھوں نے وہاں سکونت اختیار کی۔

حق تعالیٰ نے ان بزرگ کے خاندان سے اس بادشاہ کو پیدا کیا، یعنی شیخ شیوخ العالم فریدالحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز، تاکہ مملکت ہندوستان کی خلائق کی جو اندھیرے اور گناہوں میں غرق تھی دست گیری فرمائیں اور باہر لائیں۔

دوسرا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی عزلت وگوشہ گیری اور مشغولیت حق اور ان بزرگ کے شیخ الاسلام قطب الدین بختیارؒ قدس اللہ سرہما العزیز کی جناب سے وابستہ ہونے کا بیان۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین طیب اللہ مضجعہ آغاز جوانی ہی سے کہ مرادیں پانے کی صلاحیت ہوتی ہے، عبادت و محبت باری تعالیٰ میں مشغول ہوگئے اور یک بارگی ترک کو اختیار کیا اور خویش و بیگانہ سے جدا ہوگئے۔ شعر:

ہر کسے را بجہاں خویشے و پیوندے ہست
غم تو خویش من عشق تو پیوند من است

دنیا میں ہر ایک کا کوئی عزیز ہے اور رشتے دار ہے۔ میرا عزیز تیرا غم ہے اور میرا رشتہ تیرا عشق۔

امیر خسروؒ بھی فرماتے ہیں۔

اگر تو باغم لیلیٰ برغبت خویشیٔ داری
چو مجنوں فرد باید شد ہم از خویش و ز بیگانہ

(سیر الأولیاء میں یہ مصرعہ غلط درج ہے، یہاں تصحیح قیاسی کی گئی ہے۔ مترجم)

اگر تو لیلیٰ کے غم سے لگاوٹ کا رشتہ رکھتا ہے تو مجنوں کی طرح اپنے پرائے سب سے الگ ہوجا۔

چونکہ نیت صادق تھی اور حق تعالیٰ نے مقدر کیا تھا۔ ایک جہاں، قیامت تک ان کی فرماں روائی کے زیر سایہ چین کرے گا اور آخرت میں نجات ابدی پائے گا (لہٰذا) شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز (اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کی شفاعت ہمیں نصیب کرے) سے ملاقات کی سعادت اور دست بوسی کی دولت میسر آئی۔ جیسا کہ شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ شیوخ العالم طیب اللہ مضجعہ تعلیم میں مشغول تھے، ان کی علم کوشی اور تجرید اور عبادت کی شہرت سارے عالم میں پھیل گئی تھی اور اس کے چرچے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نور اللہ مرقدہ وروضتہ کے مبارک کانوں تک بھی پہنچے تھے اور شیخ الاسلام بہاء الدین کی خواہش تھی کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ملاقات کریں۔ ادھر شیخ شیوخ العالم فریدالدین تعلیم کے لیے ملتان پہنچے اور اس زمانے میں ملتان تمام عالم میں اسلام کا ایک مرکز ہوا تھا۔ بڑے بڑے علماء وہاں تشریف رکھتے تھے۔ شیخ شیوخ العالم فریدالدین ایک مسجد

میں جا کر اترے۔ ایک روز اس مسجد میں قبلہ رو بیٹھے کتاب نافع کے سبق میں مشغول تھے اور اسی حال میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز اوش سے ملتان آئے اور اسی مسجد میں کہ جس میں شیخ شیوخ العالم کبیر موجود تھے تشریف لائے۔ شیخ شیوخ العالم نے شیخ قطب الدین کی پیشانی کی طرف نظر کی تو کیا دیکھا کہ بے حد تعظیم فرمائی اور بڑے ادب سے بیٹھ گئے۔ جب شیخ الاسلام قطب الدین نے دو رکعت (نماز) تحیت مسجد کی ادا کر لی، شیخ شیوخ العالم کی طرف دیکھا، بولے کہ مسعود تم کیا پڑھ رہے ہو۔ عرض کی کتاب نافع۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں نفع اس نافع سے ہوگا؟ شیخ شیوخ العالم نے عرض کی کہ مجھے تو نفع آپ کی کیمیاء سعادت بخش سے ہوگا اور شیخ شیوخ العالم فوراً اٹھے اور شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور شیخ الاسلام قطب الدین کے قدموں میں سر رکھا اور ان کی جناب سے وابستہ ہوگئے۔ اسی حال میں شیخ الاسلام بہاء الدین، شیخ الاسلام قطب الدین کو دیکھنے، اس حکم کے مطابق کہ القادم یزار آنے والی کی زیارت کی جاتی ہے، اسی مسجد میں جہاں شیخ الاسلام قطب الدین اور شیخ شیوخ العام فرید الدین تھے، تشریف لائے، قدس اللہ سرہما اور باہم ملاقات کی۔ شیخ الاسلام بہاء الدین قدس اللہ سرہ نے اٹھتے وقت شیخ الاسلام قطب الدین کی جوتیاں خود اپنے دست مبارک سے سیدھی کیں اور یہ بڑے مشائخ کے درمیان رواج ہے کہ اگر کسی سے معذرت کرنی چاہتے ہیں تو اس کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ اسی وقت شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شہر دہلی کا ارادہ کر لیا۔ شیخ شیوخ العالم فرید الدینؒ شیخ الاسلام قطب الدینؒ کے ساتھ شہر میں آئے اور شیخ قطب الدین بختیار کی بیعت کی دولت سے مشرف ہوئے۔ قدس اللہ سرہما العزیز۔

منقول ہے کہ جس مجلس میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیارؒ کی جناب میں بیعت کی ہے، یہ بزرگ تشریف فرماتے تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علاء الدینؒ کرمانیؒ وسید نور الدین مبارک غزنویؒ و شیخ نظام الدین ابو المویدؒ و مالانا شمس ترکؒ و خواجہ محمود موئنہ دوزؒ اور دوسرے عزیز کہ عرش سے تحت الثریٰ ہر ایک کی نظر مبارک کے سامنے آئینہ تھا۔ مرید ہونے کے بعد شیخ قطب الدینؒ کی خدمت ہی میں شہر میں رہے اور مشغول بحق ہوئے۔ جیسا کہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین طیب اللہ مرقدہ اپنے پیر شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی خدمت میں دو ہفتے کے بعد جاتے، برخلاف شیخ بدر الدین غزنویؒ اور دوسرے عزیزوں کے کہ ہمیشہ حضرت کے ساتھ رہتے۔ اس بات کا خلاصہ یہ مصرع ہے کہ جو اس بارے میں سلطان المشائخ کی زبان مبارک پر آیا ہے۔ ع

بیرون درون بہ کہ درون بیروں

اندر کا باہر والا ہونا بہتر ہے یا باہر کا اندر والا ہونا؟ (یعنی دور کا اپنا بہتر ہے، بہ نسبت پاس کے پرائے کے)۔

تیسرا نکتہ

اس بادشاہ دین شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدینؒ کی عمر عزیز کی ابتداء سے انتہا تک کے مجاہدہ وروش کا بیان۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز شہر میں تھے۔ شیخ بدر الدین غزنویؒ کے وعظ میں تشریف لے۔ گئے ایک روز منبر پر (انھوں نے) شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی مدح فرمائی۔ حاضرین نہیں جانتے تھے کہ کس کی تعریف کر رہے ہیں کیونکہ شیخ شیوخ العالم کا لباس بہت پھٹا ہوا تھا۔ وعظ سے فارغ ہونے کے بعد باہر آئے تو ایک شخص نے لباس پیش کیا۔ شیخ شیوخ العالم نے

اسے پہن لیا اور فوراً اتار دیا اور شیخ نجیب الدین کو دے کر فرمایا کہ میں جو ذوق اس پھٹے ہوئے جامے میں رکھتا تھا، اس نئے لباس میں نہیں پاتا۔

الغرض اس کے بعد کہ شیخ الاسلام قطب الدین کی خلافت سے مخصوص ہوئے اور خلقت نے ہجوم کیا اور ان کا مقصد پوشیدہ رہنا تھا۔ شہر سے باہر تشریف لائے اور ہانسی چلے گئے۔ وہاں مقیم ہوگئے اور مجاہدہ و مشغولی ظاہر و باطن میں لگ گئے اور اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور نہیں چاہا کہ کوئی بھی مخلوق ان کے حال سے واقف ہو، یہاں تک کہ ایک روز مولانا نور ترک اور حالی موالی علماء نے ان کو تعصب سے ناصبی اور مرجی کہا۔ حالانکہ وہ اس سے پاک تھے اور تقویٰ و بزرگی کی انتہاء پر، چنانچہ سلطان المشائخ نے ان کی بزرگی کے بارے میں بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور امیر حسنؒ نے انھیں فوائد الفواد میں درج کیا ہے۔

الغرض یہ بزرگ (مولانا نور ترک) ہانسی پہنچے اور ذاکری۔ فرمائی شیخ شیوخ العالم اس مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور شیخ کے کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جیسے ہی مولانا نور ترک کی نظر شیخ شیوخ العالم کے جمال ولایت پر پڑی۔ پکار اٹھے اے مسلمانو! سخن کا پارکھ آ گیا ہے۔ اس کے بعد (بہت) تعریف کی جیسے کہ بادشاہوں کی کرتے ہیں۔ جب ہانسی میں شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی عظمت و کرامت مخلوق پر روشن ہوگئی تو یہاں سے کھتوالا چلے گئے جو اس بادشاہ دین کے آباء واجداد کا قدیم وطن تھا اور ایک مدت وہاں مشغول رہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جن دنوں شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز ملتان سے شہر میں آئے، جب کھتوالا پہنچے پوچھا کہ یہاں درویشوں میں سے کوئی ہے کہ اسے دیکھوں۔ کہا گیا کہ ایک قاضی زادے ہیں، شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں سے (جو) کھتوال کی مسجد کی پشت پر مشغول رہتے ہیں۔ شیخ جلال الدین نے شیخ شیوخ العالم فریدالدین سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ راستے میں کوئی شخص ایک انار شیخ جلال الدین کی خدمت میں لایا۔ شیخ جلال الدین اس کو ہاتھ میں لیے ہوئے شیخ شیوخ العالم فریدالدین کی خدمت میں آئے۔ ملاقات کے بعد بیٹھ گئے۔ شیخ جلال الدین نے اس انار کے ٹکڑے کر کے کھانا شروع کیا۔ شیخ شیوخ العالم فریدالدین روزے دار تھے۔ انھوں نے افطار نہیں کیا۔ اور شیخ شیوخ العالم کا ازار (پاجامہ یا شلوار) پھٹا ہوا تھا اس حال اور گفتگو کے احوال میں بار بار ہوا کے جھونکے آتے اور شیخ شیوخ العالم دامن سے پاجامے کی پھٹی ہوئی جگہ کو ڈھکتے۔ شیخ جلال الدین نے بتایا کہ بخارا میں ایک درویش تھا، تعلیم میں مشغول۔ سات سال تک (کرتے کے نیچے) پائجامہ اس کے پاس نہ تھا۔ بس لنگوٹی تھی۔ اطمینان رکھو اس سے کیا ہوتا ہے، سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین کی مراد اس درویش سے خود اپنی ہی ذات تھی۔ الغرض جب شیخ جلال الدین نے وہ انار کھالیا اور شیخ فریدالدین نے افطار نہ کیا اور شیخ جلال الدین کھڑے ہو گئے اور تشریف لے گئے تو شیخ فریدالدین افسوس میں پڑ گئے کہ میں نے افطار کیوں نہ کرلیا۔ اس انار کا ایک بچا ہوا دانہ زمین پر گر گیا تھا، وہ اٹھالیا اور پگڑی کے پیچ میں اس نیت سے باندھ لیا کہ رات کو اسی سے افطار کریں۔ جب رات ہوئی تو اس سے افطار کیا۔ دل میں ایک روشنی پیدا ہوگئی۔ خیال آیا کہ زیادہ کیوں نہ کھایا۔ جب شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز شہر میں آئے اور شیخ قطب الدین کی جناب سے وابستہ ہوئے تو (انھوں نے) فرمایا کہ مسعود وہ انار کا دانہ کہ جو مقصود تھا تمہیں پہنچ گیا۔ خاطر جمع رکھو۔

الغرض جب شیخ شیوخ العالم فریدالدین کا نام و شہرت جہان میں چھا گئے اور ادنیٰ اعلیٰ نے حضرت شیخ شیوخ العالم کی

کاک بوسی کے لیے چہرے جھکا دیے اور موضع کھتوال جو ملتان کے قریب تھا، ملتان کی خلقت نے رخ حضرت کی طرف کیا تو وہاں سے اجودھن تشریف لے آئے، جو ایک گمنام مقام تھا۔ ایک روایت سے سولہ سال اور ایک روایت سے چوبیس سال عمر کے آخر تک اجودھن میں رہے اور یہ جگہ ان کے مبارک وجود سے ہندوستان اور خراسان کا قبلہ اور روز قیامت تک مسکینوں اور بے چاروں اور نوابوں اور بادشاہوں کی پناہ بن گئی۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کچھ عرصے ہانسی میں رہے۔ چونکہ علم وافر تھا، اس پر عمل کیا اور عمل علم سے کئی گنا بڑھ گیا اور وہاں مشہور ہو گئے تو وہاں سے رخصت ہوئے۔ کھتوال میں کہ جہاں روزگار کم تھا اور جگہ گمنام تھی، مقیم ہوئے۔ چونکہ یہ جگہ ملتان سے قریب ہے، اس لیے چھپے نہ رہ سکے۔ اکثر چاہیے کہ وہاں سے بھی چلے جائیں اور لاہور میں کہ ویران تھا اور بہتا ہوا پانی وہاں تھا، قیام فرمائیں۔ بہر کیف آخر عمر اجودھن میں گزاری۔ اس حکایت سے مقصد یہ ہے کہ خود کو چھپائے رکھا اور اشتہار کی کوشش نہ کی اور بارہا شیخ شیوخ العالم فرید الدین طیب اللہ مضجعہ کی زبان مبارک پر یہ شعر آتا۔ بیت

ہر کہ در بند نام و آوازہ است کانہ او بردن دروازہ است

جو کوئی نام و شہرت کی فکر میں ہے، اس کا ٹھکانہ (ہمارے) دروازہ کے باہر ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ علی علاقہ میرت (میرٹھ) میں تھے اور ان کی مٹی بھی وہیں ہے۔ وہ ہانسی پہنچے اور اس زمانے میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس سرہ العزیز کا داؤدی روزہ تھا۔ (داؤدی روزے میں ایک دن بیچ کر کے روزہ رکھتے ہیں، ایک دن روزہ ایک دن ناغہ۔ مترجم)۔ افطار کے روز شیخ علی کو مہمان کیا۔ اس اثناء میں دونوں بزرگ ہم طعام ہوئے۔ شیخ علی کو خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا کہ شیخ شیوخ العالم ہمیشہ روزہ رکھتے۔ شیخ شیوخ العالم اپنے باطنی نور سے جان گئے۔ فوراً کھانے سے ہاتھ اٹھالیا اور بولے کہ جو کچھ خاصانِ حق کے دل میں گزرا، میں اس کا لحاظ کرتا ہوں۔ ہمیشہ کا روزہ اس کے بعد اختیار فرمایا۔

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ کیا شیخ الاسلام قطب الدینؒ ہمیشہ کا روزہ رکھتے تھے۔ فرمایا کہ تحقیق نہیں ہے۔ اگر رکھتے تو شیخ شیوخ العالم فرید الدینؒ بھی ہمیشہ کا روزہ ان کی پیروی میں رکھتے۔

ایک موقع پر جب شیخ بدرالدین غزنوی کا ذکر چھیڑا تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کا معاملہ اور تھا۔ انھوں نے خلقت کو چھوڑ دیا اور جنگل بیاباں کو اختیار کیا یعنی اجودھن میں مقیم ہوئے اور انھوں نے فقیرانہ کھانے پر قناعت کی اور وہ چیزیں جیسے پیلو وغیرہ، جو اس علاقے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود مخلوق کی آمد و رفت کی حد نہ تھی۔ گھر کا دروازہ اندازاً آدھی رات گئے کم و بیش بند ہوتا یعنی مسلسل دروازہ کھلا رہتا اور کھانا اور نعمت خدائے تعالیٰ کے کرم سے موجود ہوتے اور آنے جانے والوں کو اس میں سے حصہ ملتا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں ایسا نہ آتا کہ جس کو کچھ نہ کچھ نہ ملتا ہو۔ عجیب روزی اور زندگانی تھی کہ بنی آدم میں سے کسی کو میسر نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص ان کی خدمت میں آتا کہ جو پہلے کبھی نہ آیا ہوتا اور دوسرا وہ موجود ہوتا جو چند سال کا آشنا ہوتا۔ دونوں ان کے برتاؤ میں برابر ہوتے اور دونوں پر توجہ یکساں کی جاتی۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے مولانا بدرالدین اسحاق سے سنا ہے کہ میں خادم تھا اور جو کچھ ہوتا مخدوم مجھ سے کہتے اور مجھے جس کام پر بھی وہ مامور فرماتے، تنہائی میں اور سب کے سامنے ایک ہی بات کہتے۔ کبھی اکیلے میں وہ بات نہ فرماتے اور اس کام کا

حکم نہ دیتے کہ جس کو سب کے سامنے نہ فرماتے ہوں۔ یعنی ظاہر وباطن میں ایک روش رکھتے تھے اور یہ عجائب روزگار سے ہے۔

اور سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کا افطار اکثر شربت سے ہوتا۔ ایک پیالے میں شربت لایا جاتا اور کبھی کبھی اس میں مویز (منقیٰ) بھی ڈال دیتے۔ اس شربت کا آدھا حصہ بلکہ دو تہائی سب حاضرین میں، جو موجود ہوتے، تقسیم کیا جاتا اور تہائی جو بچ جاتا خود استعمال فرماتے اور اس بچے ہوئے میں سے بھی جس شخص کو چاہتے، عطا فرماتے جس کی قسمت میں بھی یہ دولت ہو۔ اس کے بعد نماز سے پہلے دو روٹیاں گھی سے چپڑ کرلاتے۔ یہ دو روٹیاں ایک سیر سے کم ہوتیں۔ ایک روٹی کو ٹکڑے کر کے حاضرین میں بانٹتے اور دوسری روٹی خود نوش فرماتے اور اس خاص روٹی میں سے بھی جس شخص کو چاہتے عطا فرمادیتے۔

شام کی نماز ادا کرنے کے بعد (ذکر وغیرہ میں) مشغول ہوجاتے۔ جب شغل سے فارغ ہوتے تو اس کے بعد دسترخوان ان کے سامنے لایا جاتا اور ہر رنگ کا کھانا ہوتا۔ جب کھانا ختم ہوجاتا تو اس کے بعد کچھ نوش نہ فرماتے، ماسوا دوسرے روز افطار کے وقت کے۔

اس کے بعد فرمایا، ایک روز رات کو لیٹنے کے وقت میں خدمت میں حاضر تھا۔ ایک کھاٹ (چارپائی) دیہاتی بچھائی گئی۔ اور دہی کملی جس پر دن کو تشریف رکھتے تھے وہی چارپائی پڑ ڈالی گئی۔ چنانچہ یہ کملی پائنتی تک نہ پہنچتی تھی۔ جس جگہ کہ ان کے قدم مبارک رہتے، وہاں ایک کپڑے کا ٹکڑا لاکر ڈالتے کہ اگر اس ٹکڑے کو اوپر کھینچا جاتا تو وہ جگہ بستر سے خالی ہوجاتی، اور ایک عصا رتھا جو شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ملا تھا، وہ لایا جاتا اور چارپائی کے سرہانے رکھتے۔ شیخ شیوخ العالم اس پر تکیہ لگاتے اور استراحت فرماتے اور اس (عصاء) پر ہاتھ پھیرتے اور چومتے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالدین نوراللہ مرقدہ اکثر زنبیل کی روٹی کھاتے، البتہ افطار کے وقت زنبیل کے علاوہ بھی ایک دو روٹیاں (غالباً گھر کی مترجم) ہوتیں۔ جس زمانے میں کہ خواجہ کے گھر میں دوبار زنبیل پھرتی، اکثر یاروں کو دن میں زنبیل کی روٹی ملتی (جو) رات کو خواجہ کے دسترخوان پر بیٹھتے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے لیے خادم نے ایک دانگ نمک قرض لیا۔ جب افطار کے وقت کھانا سامنے لایا گیا تو شیخ شیوخ العالم نے نور باطن سے معلوم کرلیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زیادتی کی بو آتی ہے۔ خادم نے عرض کی کہ گھر میں نمک نہیں تھا۔ قرض لیا ہے۔ فرمایا تو نے زیادتی کی۔ نہ ہونے پر قناعت کرنا۔ میرے لیے مناسب نہیں ہے کہ یہ کھانا کھاؤں۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدی قدس اللہ سرہ العزیز کے دار بقا کو سدھارنے کے قریب آخر عمر میں روزی تنگ ہوگئی تھی اس حد تک کہ رمضان کے مہینے میں میں وہاں تھا، تھوڑا سا کھانا لایا جاتا تو جو حاضرین کو کافی نہ ہوتا۔ اس زمانے میں کھانے کی کوئی چیز میں نے سیر ہوکر نہیں کھائی اور مقررہ اسباب معاش جو تھے، ان کو بھی دیکھا تو وہ بھی بہت حقیر تھے۔

اور سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے اجودھن سے رخصت کیا گیا۔ شیخ شیوخ العالم نے ایک سلطانی (سکہ) مجھے خرچ کے لیے عطا فرمایا۔ اسی روز مولانا بدرالدین اسحاق نے شیخ شیوخ العالم کا فرمان مجھ تک پہنچایا کہ آج ٹھہر جاؤ کل روانہ ہونا۔ جب افطار کا وقت آیا حضرت شیخ کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا کہ جس سے افطار ہوتا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو

وہی سلطانی جو مجھے خرچ کے لیے ملی تھی شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ شیخ شیوخ العالم کے صدقے میں ایک سلطانی مجھے خرچ کو ملی ہے۔ حکم ہو، تاکہ اس سے کوئی چیز لے آئیں۔

شیخ شیوخ العالم اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ جیسا کہ اس حکایت کا بقیہ سلطان المشائخ کے ذکر میں نکتہ فتح فتوح کے تحت لکھا گیا ہے۔

شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ سے روایت فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی بیویاں کئی تھیں۔ ان بیویوں کے خادم آتے اور کہتے کہ خواجہ! آج فلاں صاحبزادے کو ایک فاقہ ہے اور فلاں صاحبزادی کو دو فاقے۔ خواجہ اسی طرح حق میں مستغرق رہتے کہ ان کی باتیں ہوا کی طرح ہوتیں یعنی ان کے کہنے کی پروا نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ان کی بیوی بھی خدمت میں آئیں اور بولیں خواجہ! آج فلاں صاحبزادے بھوک کے مارے ہلاک ہوا چاہتے ہیں۔ شیخ شیوخ العالم مشغولی سے سر اٹھاتے اور فرماتے۔ مسعود بندہ کیا کرے۔ اگر حق تعالیٰ کا حکم ہوا اور اس جہان سے گزر جائے تو پاؤں میں رسی باندھو اور باہر پھینک آؤ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو درویش اچھا کھاتا ہے اور خوب سوتا ہے اور پھر خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، وہ جھوٹ بولتا ہے۔

منقول ہے کہ جب شیخ شیوخ العالم فریدالدین نے چاہا کہ مجاہدہ شروع کریں تو اس بارے میں شیخ قطب الدین بختیار نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں عرض کی۔ شیخ نے فرمایا کہ طے کرو (طے کا روزہ رکھو) شیخ شیوخ العالم نے طے فرمایا۔ دو تین روز تک کچھ نہ کھایا۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص کچھ روٹیاں لایا۔ شیخ شیوخ العالم سمجھے کہ یہ غیب سے ہیں۔ ان سے افطار فرمالیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ ایک کوا کسی مردار جانور کی انتڑیوں کا ٹکڑا منہ میں لیے درخت پر بیٹھا ہے۔ جیسے ہی شیخ شیوخ العالم کی نظر اس پر پڑی ان کا جی اندر سے متلایا اور ابکائی آئی اور وہ روٹیاں جو افطار کے وقت تناول فرمائی تھیں، سب باہر نکل گئیں اور ان کا پاک معدہ خالی ہوگیا۔

یہ کیفیت شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پیش کی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ مسعود، تین روز کے بعد تم نے ایک خمّار (شراب ساز) کے کھانے سے افطار کیا۔ لیکن یہ تمہارے لیے باری تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس کھانے نے تمہارے پیٹ میں جگہ نہ پائی۔ اب جاؤ تین روز پھر طے کرو۔ اور جو کچھ غیب سے ملے، اس سے افطار کرنا۔ (لہٰذا) تین روز اور طے کیے گئے اور چھ روز ان تک کھانے کی خوشبو نہ پہنچی۔ کمزوری بہت بڑھ گئی۔ جب افطار کا وقت آیا تو کہیں سے کھانا نہ آیا۔ یہاں تک کہ ایک گھڑی رات گزر گئی۔ کمزوری اور بڑھی۔ اور جی بھوک کی گرمی سے جلنے لگا۔ دست مبارک زمین کی طرف بڑھایا اور چند کنکر جو زمین سے اٹھائے تھے، اپنے دہن مبارک میں ڈال لیے۔ یہ کنکران کے دہن مبارک کی برکت سے شکر بن گئے۔ حکیم سنائی نے اچھا کہا ہے۔

سنگ در دست تو گہر گردد   زہر کا در کام تو شکر گردد

پتھر تیرے ہاتھ میں موتی بن جاتے ہیں اور زہر تیرے منہ میں شکر بن جاتا ہے۔

جب یہ کرامت دیکھی تو خود سے بولے کہ کہیں یہ بھی دھوکا نہ ہو۔ چنانچہ وہ کنکر جو ان کے مبارک منہ میں شکر ہو گئے تھے، باہر تھوک دیے اور پھر اسی طرح مشغول بحق ہو گئے۔ یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ کمزوری اور غالب ہوگئی۔ پھر شیخ شیوخ العالم نے چند اور کنکر زمین پر سے اٹھائے اور منہ میں ڈال لیے۔ یہ کنکر بھی شکر بن گئے۔ وہی دھوکے والی بات پھر خیال شریف میں

آئی۔ یہ شکر بھی منہ میں سے نکال دی۔ اسی طرح حق میں مشغول تھے کہ رات کا آخر ہو گیا۔ اپنے آپ سے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کمزوری کے مارے طاعت سے رہ جاؤں پھر چند کنکر لیے اور منہ میں ڈالے۔ شکر بن گئے۔ اس دفعہ خاطر مبارک میں آیا کہ یہ تو حق کی جانب سے ہے کیونکہ تیسری بار میسر ہوا ہے۔ اور وہ جو شیخ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے ملے، اس سے افطار کرنا یہی ہوگا۔ اس کے بعد وہ شکر کے کنکر کھا لیے۔ جب دن نکلا شیخ الاسلام قطب الدین کی خدمت میں گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا کیا کہ اس سے افطار کرلیا۔ جو کچھ غیب سے آئے اچھا ہے۔ جاؤ شکر کی طرح میٹھے ہو جاؤ گے۔ اسی وجہ سے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو پیر شکر بار اور گنج شکر کہتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ شیوخ العالم نے مجاہدہ بڑھانے کے لیے پھر شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں عرضداشت کی کہ اگر حکم ہو تو چلّہ کروں۔ یہ بات شیخ کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ ارشاد ہوا کہ ضرورت نہیں۔ ان چیزوں سے شہرت ہوتی ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے جواب میں عرض کیا کہ شیخ خوب جانتے ہیں کہ بندے کا مطلوب شہرت نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ شیوخ العالم فرماتے ہیں کہ مجھے باقی ساری عمر پچھتاوے پر پچھتاوا رہا کہ ایسا جواب کیوں دیا، جو ان کے مزاج کے موافق نہیں تھا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ اچھا جاؤ چلّۂ معکوس کرو اور شیخ شیوخ العالم کو معلوم نہیں تھا کہ چلہ معکوس کیا ہوتا ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے شیخ بدر الدین غزنوی سے کہا کہ حضرت شیخ نے مجھ سے چلّۂ معکوس کے لیے فرمایا ہے اور میں شیخ کی ہیبت سے پوچھ نہ سکا کہ چلہ معکوس کیا ہوتا ہے۔ آپ سکھاویں یا یہ بات حضرت شیخ سے معلوم کر دیں۔ شیخ بدر الدین نے حضرت شیخ قطب الدین سے چلہ معکوس کی کیفیت پوچھی۔ شیخ نے فرمایا کہ چلہ معکوس یہ ہوتا ہے کہ چالیس دن یا چالیس رات اپنے پاؤں کو رسی میں باندھ لیں اور کسی کنویں میں الٹے لٹک کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کریں۔

جب اس بات کی شیخ شیوخ العالم کو تحقیق ہوگئی تو چلہ معکوس کا ارادہ پکا فرمالیا مگر اس طرح کہ یہ بات چھپی رہے۔ اس کے بعد ایسے مقام کی تلاش شروع کی جہاں مسجد ہو اور مسجد کے اندر کنواں اور اس کنویں کے پاس ایسا درخت کہ اس کی شاخ کنویں کے اوپر آئی ہوئی ہو۔ اور اس مسجد میں ایسا موذن ہو جو دیانت دار اور درویشوں کی صحبت کے لائق اور ان کا راز دار ہو۔

شیخ شیوخ العالم نے ایسی جگہ شہر میں تلاش کی مگر نہیں ملی۔ ہانسی تشریف لے گئے اور کچھ عرصے وہاں رہے مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔ اس طرح ہر قصبے اور علاقے میں اس طرح کی خلوت ڈھونڈتے رہے تا آنکہ علاقہ اچہ میں پہنچے۔ وہاں ایک مسجد ملی۔ نہایت راحت افزا، جسے مسجد حاج کہتے تھے۔ اور اس مسجد میں ایک کنواں تھا اور اس کنویں کے قریب ایک درخت اور ایک موذن تھے جن کو خواجہ رشید الدین مینائی کے نام سے پکارتے تھے اور وہ ہانسی کے رہنے والے تھے اور شیخ شیوخ العالم کی جناب میں سچی ارادت رکھتے تھے۔ شیخ شیوخ العالم چند روز اس مسجد میں رہے۔ جب ان موذن کی صدق محبت اور رازداری برتنے کا یقین ہو گیا تو ان پر یہ راز کھولا اس شرط پر کہ ظاہر نہ کریں۔

الغرض ان موذن سے فرمایا کہ عشا کی نماز کے بعد جب مخلوق چلی جائے ایک رسی لانا۔ جب موذن رسی لے آئے شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز نے اچھی طرح وضو کر کے رسی کا ایک سرا اپنے مبارک پاؤں میں، جو اولیاء کے سر کا تاج تھا باندھا اور دوسرا درخت کی اس شاخ سے جو کنویں پر آئی ہوئی تھی باندھا۔ نظامی نے اچھا کہا ہے۔

دار ددو سر ایں رشتہ یکے عجز وگر ناز
زیں سو ہمہ عجز آمد وزاں سو ہمہ ناز

(اس ڈوری کے دوسرے ہیں۔ایک عجز، دوسرا ناز۔ادھر سے عجز ہی عجز ہے، ادھر سے ناز ہی ناز)

اس کے بعد اپنے آپ کو سر کے بل الٹا اس کنویں میں لٹکا دیا اور مشغول ہوگئے۔امیر حسن شاعر نے اچھا کہا ہے۔

ہر دل کہ در دمہر تو آویختہ شد آویختہ شد عاقبت از کنگر عشق

جس دل میں تیری محبت پڑ جاتی ہے، وہ آخر کار عشق کے کنگورے سے لٹک جاتا ہے۔

اور اس موذن سے فرمایا کہ تم طلوع صبح سے پہلے آجانا۔ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز اسی طرح کنویں میں نماز معکوس میں مشغول ہوگئے۔ جب صبح سے پہلے موذن صاحب آئے دیکھا کہ شیخ شیوخ العالم اسی طرح مشغول ہیں۔عرض کی کہ مخدم کیا حکم ہے۔ دریافت فرمایا کہ کیا صبح ہوگئی۔موذن نے کہا۔قریب ہے کہ ہو جائے۔ارشاد ہوا کہ اس رسی کو اوپر کھینچ لو۔ شیخ شیوخ العالم کنویں سے باہر آئے اور مسجد میں قبلہ رخ بیٹھ کر مشغول ہوگئے۔ایسے ہی چالیس رات چلہ معکوس کیا اور پیر کے حکم کو اس طرح بجالائے کہ تیسرے کو اس راز کا علم نہ ہوا۔اور یہ مسجد اب بھی اچہ میں موجود ہے۔اور یہ متبرک مقام خلق کا حاجت روا بن گیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رشید الدین مینائی نے جو موذن تھے، شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرض کی، میں فقیر آدمی ہوں اور کئی لڑکیوں کا باپ۔میرے حق میں خواجہ کرم فرمائیں اور دعا فرمائیں تا کہ اس سے وسعت حاصل ہو۔شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ جاؤ ذاکری کرو۔موذن نے کہا کہ میں نے کچھ پڑھا نہیں ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ منبر پر پیر رکھنا تمہارا کام ہے اور کرم حق تعالیٰ کا۔(اللہ) جل وعلائے نے ان پر کرم کیا اور علم کرامت فرمایا کہ ایسے ذاکر بنے کہ ان کی تقریر دل نشیں ہوتی تھی اور ان کو مال اور برکت حاصل ہوگئی۔سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ مجھے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا، وہ سب کچھ کیا یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس پڑھی ہے۔چنانچہ میں گیا اور پاؤں میں رسی باندھ کر خود کو ایک کنویں میں الٹا لٹکا دیا۔

چوتھا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے علم وتبحر کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک عالم تھے ضیاء الدین لقب، منارے کے نیچے درس دیتے تھے۔ان سے میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں گیا اور میں فقہ اور تجوید اور دیگر علوم میں سے کچھ نہ جانتا تھا۔بس علم مناظرہ پڑھا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اگر شیخ شیوخ العالم نے فقہ اور دیگر علوم کے بارے میں پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔یہ اندیشہ میرے دل میں تھا یہاں تک کہ شیخ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گیا۔میری طرف رخ کر کے بولے کہ تنقیح مناط کیا ہوتی ہے۔میں خوش ہوگیا اور اس کا بیان شروع کیا اور نفی و اثبات جو اس بارے میں آئے ہیں، اطمینان سے عرض کیے۔اس کے بعد سلطان المشائخ شیخ کے کمال کشف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے ان کے علم کی بابت ہی پوچھا۔

اور فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرضداشت کی کہ میری تمنا ہے کہ کلام اللہ آپ کے سامنے پڑھوں۔حکم ہوا کہ پڑھو۔اس کے بعد بروز جمعہ یا جس روز فرصت ہوتی، میں کچھ پڑھتا۔اس طرح چھ سی پارے شیخ شیوخ العالم کے سامنے پڑھے۔جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھ سے فرمایا کہ الحمد پڑھو۔میں نے پڑھی اور ولا الضالین پر پہنچا تو

فرمایا کہ ضاد اس طرح پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں۔ ہر چند میں نے چاہا لیکن ویسے نہ ہوسکا۔ اس پر سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ وہ کیا فصاحت وبلاغت تھی۔ شیخ شیوخ العالم ضاد کو اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو میسر نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول الضاد کہتے ہیں۔ اس وقت یہ الفاظ یاد فرمائے۔

رسول الضاد ای انزل علیہ الضاد

رسول الضاد یعنی اتاری گئی جن پر ضاد

فرماتے ہیں کہ مولانا بدرالدین اسحاق کو اور مجھے ایک بات میں شبہ ہوا۔ جب شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کھڑے ہوگئے۔ ارشاد ہوا کہ کھڑے کیوں ہو۔ عرض کی کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ شرعنہ میں رزک ہے یا سرک، شیخ شیوخ العالم نے بتایا اور مثال دی۔

استراء سرک من رزک

یعنی حفاظت کروا اپنے راز کی، اپنے گریبان کے بٹن سے بھی۔ یعنی اس سے بھی نہ کہو۔

اور فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ صابر فقیر، شاکر غنی پر فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ شاکر غنی سے شکر پر کیا وعدہ ہے؟ مزید نعمت میں اضافہ!

لئن شکرتم لازید نکم

اگر تم شکر کروگے میں تم کو اور دوں گا۔ (الآیہ)

اور فقیر کو صبر میں بشارت کاہے کی ہے؟ سنگت کی نعمت!

ان اللہ مع الصابرین

یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس مرتبے اور اس مرتبے کے درمیان دیکھو کہ فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

اس پر قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ سے سوال کیا کہ

وھو معکم اینما کنتم

وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو عام ہے، اور

ان اللہ مع الصابرین

یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خاص اس صورت میں عام اور خاص کے درمیان فرق کیا ہے؟ جواب ارشاد ہوا کہ عام کے ساتھ محض ساتھ ہے۔ یعنی تعلیم ویری۔ وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور خاص کے ساتھ معیت عنایت سمیت ہے۔ یعنی یحب ویرضیٰ اسے دوست رکھتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔

شیخ نصیرالدین محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی خدمت میں ایک شخص نے عرضداشت کی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو ایک رقعہ لکھ دیجیے۔ شیخ شیوخ العالم نے اس طرح تحریر فرمایا۔

رفعت قصة الی اللہ ثم الیک فان اعطیتہ شیئاً فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیئاً فالمانع ھواللہ و انت المعذور!

(میں نے اس شخص کا قصہ اللہ کے سامنے پیش کیا اور پھر تمہارے سامنے۔ پس اگر تم اس کو کچھ دوگے تو دین اللہ کی ہوگی اور تمہارا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اور اگر کچھ نہ دوگے تو روکنے والا اللہ ہوگا اور تم معذور سمجھے جاؤ گے۔)

پانچواں نکتہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے شیخ الاسلام معین الدین سجزی اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہما العزیز سے نعمت پانے کا حال

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام معین الدین سجزی اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہما العزیز

اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ ارواحہم ایک حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ شیخ معین الدین نے شیخ قطب الدین سے فرمایا کہ بختیار اس جوان کو کب تک مجاہدے سے جلاؤ گے۔ کچھ چیز عطا کرو۔ شیخ قطب الدین نے عرض کی کہ میری کیا مجال ہے کہ آپ کی نظر مبارک کے سامنے کچھ بخشش کروں۔ شیخ معین الدینؒ نے فرمایا کہ ارادت تو تم سے رکھتا ہے۔ پھر شیخ معین الدین کھڑے ہوگئے اور بولے آؤ ہم دونوں بخشش کریں۔ دائیں طرف شیخ معین الدین کھڑے ہوگئے اور بائیں طرف شیخ قطب الدین۔ درمیان میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کو کھڑا کرلیا اور بخشش فرمائی۔ یہ ضعیف عرض کرتا ہے۔ قطعہ

بخشش کونین از شیخین شد در باب تو
بادشاہی یافتی زیں بادشاہان زماں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم مرترا
عالم کن گشتہ اقطاع توا ے شاہ جہاں

دونوں بزرگوں سے آپ کے لیے کونین کی بخشش ہوئی
آپ نے ان بادشاہان زماں سے بادشاہی پائی
دنیا و دین کی مملکت آپ کے لے پکی ہوئی
عالم کن اے شاہ جہاں آپ کی جاگیر بن گیا

سلطان المشائخ فرماتے ہیں جب شیخ قطب الدین کی رحلت کا وقت آیا ایک بزرگ کا نام لیا جو شیخ قطب الدین کی پائیتی سو رہے ہیں۔ ان کو یہ تمنا تھی کہ شیخ کے بعد شیخ کی جگہ بیٹھیں اور شیخ بدرالدین غزنوی کو بھی لیکن جس سماع میں شیخ قطب الدین انتقال فرمانے والے تھے، ارشاد ہوا کہ یہ میرا جامہ اور میرا عصا اور میری لکڑی کی کھڑاویں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو دے دینا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ جامہ دیکھا تھا دونہی سوزنی تھی۔ جس رات کو شیخ قطب الدین کی رحلت تھی، شیخ شیوخ العالم فرید الدین ہانسی میں تھے۔ اسی رات شیخ شیوخ العالم نے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ ان کو اپنے پاس بلاتے ہیں۔ جب دن نکلا شیخ ہانسی سے روانہ ہوئے۔ چوتھے روز شہر میں پہنچے۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ وہ جامہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں لائے۔ جامہ، شیخ شیوخ العالم نے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کے بعد پہن لیا اور جس گھر میں شیخ قطب الدین رہتے تھے، آئے اور تشریف فرما ہوئے۔ ایک روایت سے تین روز ہوئے تھے کہ سرہنگا نام کا ایک شخص تھا، ہانسی سے آیا۔ شاید دو تین بار اس گھر میں آیا ہوگا اور دربان نے اندر نہ جانے دیا۔ ایک روز شیخ شیوخ العالم گھر سے باہر آئے۔ یہ سرہنگا جو منتظر تھا شیخ شیوخ العالم کے پیروں میں گر پڑا اور رونے لگا اور عرض کی کہ آپ ہانسی میں تھے تو میں آسانی سے آپ کا دیدار کرلیتا تھا۔ اب تو آپ کے درشن مشکل ہوگئے ہیں۔ شیخ نے اسی وقت یاروں سے کہا کہ میں ہانسی جانا چاہتا ہوں۔ حاضرین نے کہا کہ شیخ قطب الدینؒ نے یہ مقام آپ کو عطا کیا ہے۔ آپ دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ مجھ کو نعمت پیر نے جاری عطا کی ہے۔ جیسی شہر میں ہے، ویسی ہی بیاباں میں۔

منقول ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ اس نیت سے اٹھا کہ ہانسی کی طرف روانہ ہوجاؤں۔ شیخ قطب الدینؒ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی۔ آنکھ میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ مولانا فرید الدین میں جانتا ہوں کہ تم چلے جاؤ گے۔ میں نے عرض کی جیسا حکم ہو۔ ارشاد ہوا جاؤ تقدیر میں یوں ہی ہے کہ سفر آخرت کے وقت تم میرے پاس نہ ہوگے۔ اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اس درویش کے فقر اور دنیا و دین کی نعمت میں اضافے کے لیے ہم سورہ فاتحہ اور اخلاص

پڑھتے ہیں۔ سب نے پڑھی اور دعا کا کرم بھی کیا۔ پھر مصلےٰ خاص دعا گو کو عصاء کے ساتھ عطا فرمایا اور ارشاد ہوا کہ میں تمہاری امانت یعنی سجادہ وخرقہ اور دستار اور کھڑاویں قاضی حمید الدین ناگوری کو دے دوں گا۔ (میرے انتقال سے) پانچویں روز کے بعد تم کو پہنچا دیں گے، ان کو لے لینا۔ ہماری جگہ تمہاری جگہ ہے۔ جیسے ہی شیخ قطب الدین نے یہ بات کہی، ایک نعرہ مجلس سے بلند ہوا اور سب لوگوں نے دعا کی۔

اور حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک درویش صاحبِ دل دیکھا۔ پہچانا، فوراً گھر میں آئے۔ گھر میں سوائے تھوڑی سی جوار کے کچھ نہ تھا۔ اس کو خود پیسا۔ گوندھا اور خود روٹی پکائی اور جامع مسجد میں کہ جہاں وہ درویش ٹھہرا ہوا تھا، لے گئے۔ اس درویش نے کہا کہ اس حال سے کہ گھر میں اور کوئی چیز نہ تھی اور تم نے کس طرح اس کو پیسا اور پکایا، میں دیکھتا رہا ہوں۔ اب جو چاہتے ہو مانگو۔ شیخ شیوخ العالم نے جو چاہتے تھے مانگا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس درویش کی بخشش کی بدولت اس مطلوب تک پہنچے۔

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر کو یہ فتح یابی بڑی مشقت برداشت کرنے اور بڑی تنگی حال کے بعد ہوئی تھی۔ اس کے بعد سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب کوئی درویش از راہ صفا کسی مرد درویش کو کوئی چیز دیتا ہے تو یہ درویشوں کا رواج ہے کہ وہ درویش بھی بدلے کے طور پر اپنی حیثیت کے مطابق خدمت کرتا ہے۔

چھٹا نکتہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس اللہ سرہ العزیز کے بعض ملفوظات

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے خود اپنے مبارک خط میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں سات سو پیران طبقات سے دریافت کی گئیں۔ سب نے ایک جواب دیا۔

من اعقل الناس؟ تارک الدنیا ومن اکیس الناس الذی لایغیر بشیٔ ومن اغنی الناس؟ القانع ومن افقر الناس ؟ تارک القناعة

انسانوں میں سب سے عقلمند کون ہے؟ تارک دینا اور انسانوں میں ہوشیار ترین کون ہے؟ وہ جو کسی چیز سے نہ بدلے اور انسانوں میں کون سب سے غنی ہے؟ قناعت کرنے والا اور انسانوں میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟ قناعت ترک کرنے والا۔ اور فرمایا کہ

اللہ یستحی من العباد ان یرفع الیہ یدیہ ویروھما خائبین.

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے حیا فرماتا ہے اس بات پر کہ وہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے اور وہ ان کو مایوس لوٹا دے۔ فرمایا کہ

اگر ہے تو غم نہیں اور نہیں ہے تو غم نہیں۔ اور فرمایا کہ

مرد کی نامرادی کا دن اس کی شب معراج ہے۔ اور ارشاد ہوا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔

دس سال صوفیوں کی شاگردی کی تب مجھے معلوم ہوا کہ وقت کیا ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ

اپنے کام کو لوگوں کی ہمت شکن باتوں کی بناء پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور فرمایا کہ

بقدر رنج یابی سروری را   بشب بیدار بودن مہتری را

(دکھ کے برابر سروری پاؤ گے، رات کو جاگنے سے بزرگی ملے گی) اور فرمایا کہ

الصوفی یصفوبہ کل شیٔ ولا یکدرہ شیٔ

صوفی سے ہر چیز صاف ہوجاتی ہے اور وہ کسی چیز سے میلا نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ

شیخ الاسلام جلال الدین نوراللہ مرقدہ کا ارشاد ہے۔

الکلام، مسکر القلوب ان اول الکلام و آخره ان کان لله فتکلم و الافاسکت.

بولنا دلوں کو غافل کرتا ہے سوائے اس بولنے کے جس کی ابتداء اور انتہا اللہ کے لیے ہو۔ پس اگر ایسا ہو تو بولو، ورنہ خاموش رہو۔ اور فرماتے ہیں کہ

جب فقیر کپڑے پہنے تو یہ سمجھے کہ کفن پہن رہا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ

الانبیاء احیاءٌ فی القبور

انبیا قبروں میں زندہ ہیں

اور فرماتے ہیں شعر

لو کان هذا العلم یدرک بالمنیٰ

ما کان یبقی فی البریة جاهل

فاجهدو لاتکمل و لاتک غافلاً

فندامته العقبیٰ لمن یتکاسل

اگر علم محض چاہنے سے مل جاتا تو دنیا میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا۔ پس کوشش کرو اور کاہل نہ بنو اور غفلت نہ برتو کیونکہ سستی کرنے والے کو آخرت کی ندامت ملتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ

حکایتاً عن الله کنت کنزاً مخفیّاًفاحببت ان اعراف فخلقت الخلق لاعرف.

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ جانا جاؤں، پس میں نے خلقت کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں (حدیث قدسی) اور فرماتے ہیں۔

ویسے ہی نظر آؤ جیسے ہو، ورنہ پھر جیسے ہو ویسے ہی دکھا دیے جاؤ گے۔ اور فرماتے ہیں کہ

جذبةٌ من جذبات الحق خیرٌ من عبادة الثقلین

(اللہ کی لگن میں سے صرف ایک جذبہ دونوں جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور فرماتے ہیں

قال علیه السلام طوبیٰ لمن شغله طیبه عن عیوب الناس.

(آنحضرت) علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوشی ہے اس شخص کے لیے جو دوسروں کے عیوب کو چھوڑ، اپنے عیب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور فرماتے ہیں شعر

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللهجال مال

ہم جبار کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم دیا ہے۔ اور جاہلوں کو مال۔ اور فرماتے ہیں

الصوفی یصفوبه کل شی ولا یکدره شی لواردتم بلوغ درجة الکبار فعلیکم بعدم الالتفات الی انباء الملوک.

صوفی وہ ہوتا ہے جس سے سب چیزیں صاف ہوجاتی ہیں اور وہ کسی چیز سے میلا نہیں ہوتا۔ اگر تم بزرگوں کے درجے تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لیے ضروری ہے کہ بادشاہ زادوں کی طرف بالکل التفات نہ کرو۔ رباعی

دوشنبہ شم دل حزینم بگرفت واندیشہ یار نازنینم بگرفت

گفتم بسر و دیدہ روم بردرتو شکم بدوید و آستیم بگرفت

کل میرا دل حزیں بہت اداس تھا اور میرے یار نازنیں کے خیال نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ میں نے کہا کہ آنکھوں سے اور سر سے تیرے در پر جاؤں گا۔ آنسو بہنے لگے اور میری آستین تھام لی۔ اور فرمایا کہ

المباحثه بین الاثنین ، خیر من تکرارا السنتین

(دو کے درمیان مباحثہ دو سال (سبق) کی تکرار سے بہتر ہے۔ (شعر)

ای مدعی بدعوی چندیں مکن دلیری
یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

اے مدعی اپنے دعوے میں جرأت نہ کر۔ایک حرف کے معنی میں تین سو جواب ہیں۔اور فرمایا کہ

الافته فی التدبیر والسلام فی التسلیم.

تدبیر میں مصیبت ہے اور تسلیم میں سلامتی اور فرمایا۔

العلماء اشرف الناس والفقراء اشرف الاشراف

(انسانوں میں علماء شریف ترین ہیں اور فقراء شریفوں میں شریف ترین۔)

اور فرماتے ہیں۔

الفقیر بین العلماء کالبدر بین کواکب السماء

(فقیر علماء کے درمیان ایسا ہے جیسے آسمان کے ستاروں میں چاند)۔

اور فرماتے ہیں۔

ان ارزل الناس من اشتغل بالاکل واللباس

(انسانوں میں سب سے رذیل وہ ہے جو کھانے پہننے ہی میں لگا رہے)

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات میں سے پانچ سو باتیں جمع کی ہیں۔ان میں سے چند باتیں انتخاب کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے بن کر رہو کہ سب لیتے ہیں وہ دیتا ہے اور جب وہ دیتا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا۔

(۲) اپنے آپ سے گزرنا حق کو پہنچنا سمجھو۔

(۳) جسم کو من مانی نہ کرنے دو کہ بہت مانگے گا۔

(۴) نادان کو زندہ نہ سمجھو۔سمجھدار نظر آنے والے ناسمجھ سے بچو۔

(۵) ایسا سچ بھی نہ بولو جو جھوٹ معلوم ہو۔

(۶) جو چیز خریدی نہ جائے اس کو نہ بیچو۔

(۷) جاہ اور مال کے لیے غم نہ کھاؤ۔

(۸) ہر شخص کی روٹی نہ کھاؤ لیکن روٹی دو ہر ایک کو!

(۹) موت کو کسی جگہ بھی نہ بھولو۔

(۱۰) بات کو محض اندازے سے نہ کہو۔

(۱۱) مصیبت کو لالچ کا نتیجہ سمجھو۔

(۱۲) گناہ پر شیخی نہ بگھارو۔

(۱۳) دل کو شیطان کا کھیل نہ بناؤ

(۱۴) اپنے باطن کو اظہار سے اچھا رکھو۔

(۱۵) بناؤ سنگار میں نہ لگے رہو۔

(۱۶) اپنے آپ کو جاہ کے لیے بے قدر نہ بناؤ۔

(۱۷) عاجز اور نو دولتیے سے قرض نہ لو۔

(۱۸) پرانے خاندان کی حرمت کو ملحوظ رکھو۔

(۱۹) ہر روز ایک نئی دولت کے طلبگار بنو۔

(۲۰) مستور الحال لوگوں کو برا بھلا کہنے سے حتی الامکان بچو۔

(۲۱) ہنسوڑ پن کا انجام گرانی سمجھو۔

(۲۲) احسان مانو مگر کسی پر احسان جتاؤ نہیں۔

(۲۳) ہر نیکی کو ایسا سمجھو جیسے وہ تمہارے ساتھ ہی کی گئی ہو۔

(۲۴) جس چیز کی برائی کی دل گواہی دے اسے فوراً چھوڑ دو۔

(۲۵) جو غلام بکنا چاہتا ہو، اسے مت رکھو۔

(۲۶) نیکی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈو۔

(۲۷) جنگ پوری نہ کرو۔کچھ صلح کی بھی گنجائش رکھو۔

(۲۸) چھچھورپن اور اکھڑپن کو کمزوری سمجھو۔

(۲۹) کسی دشمن سے چاہے وہ تم سے خوش ہو، بے کھٹکے نہ ہو۔

(۳۰) جو تم سے ڈرے تم اس سے ڈرو

(۳۱) طاقت پر بھروسہ نہ کرو۔

(۳۲) شہوت کے وقت اپنی نگرانی اور وقتوں سے زیادہ کرو۔

(۳۳) دنیا والوں کے پاس بیٹھ کر دین کو فراموش نہ کرو۔

(۳۴) عدل وانصاف کرنے میں عزت وحشمت سمجھو۔

(۳۵) خوش حالی کے وقت ہمت بلند رکھو۔

(۳۶) دین کا بدل کسی چیز کو نہ سمجھو۔

(۳۷) وقت کا کچھ بدل نہ سمجھو۔

(۳۸) سخاوت سچے پر کرو۔

(۳۹) گھمنڈی لوگوں کے ساتھ تکبّر واجب سمجھو۔

(۴۰) مہمانوں کے ساتھ تکلف مت برتو۔

(۴۱) عقل اور بے اسبابی کو زادراہ بناؤ۔

(۴۲) جب خدائے عزوجل کی طرف سے زحمت پیش آئے تو اس سے رخ نہ پھرو۔

(۴۳) جو درویش خوشحالی کا طلب گار ہو، اسے لالچی سمجھو۔

(۴۴) ملک، خدا سے ڈرنے والے وزیر کے سپرد کرو۔

(۴۵) دشمن کو تدبیر سے پچھاڑو۔

(۴۶) دوست کو تواضع سے اپناؤ۔

(۴۷) دنیا پرستی کو بلائے ناگہاں سمجھو۔

(۴۸) اپنے عیب کو دیکھتے رہو۔

(۴۹) خوشحالی کو خوش دلی سے حاصل کرو تا کہ قائم رہے۔

(۵۰) ہنر کو خوار ہو کر بھی ہتھیاؤ!

(۵۱) دشمن کی کڑوی بات سے نہ بھرو۔

(۵۲) دشمن کے آگے سپر نہ ڈالو۔

(۵۳) اگر رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو لجاجت نہ کرو۔

(۵۴) اگر ساری مخلوق کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

(۵۵) اپنے اچھے برے کو پوشیدہ رکھو۔

(۵۶) دین کی علم سے حفاظت کرو۔

(۵۷) بلندی چاہتے ہو تو متواضع لوگوں کے ساتھ بیٹھو

(۵۸) آسودگی چاہتے ہو تو حرمت کرو۔

(۵۹) دکھ کو ہدیے سے دور کرو۔

(۶۰) کوشش اس کی کرو کہ مر کر زندہ ہو جاؤ۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص شیخ شیوخ العالم فریدالدین کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں نے چند دانے چڑیوں کے سامنے ڈالے تھے۔ دوسرے دن مجھے ایک من گندم اور ایک تنکہ رائج الوقت مل گیا۔ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ شعر

خورش دہ بکنجشک وکبک وحمام کہ ناگہ ہمائے درافتد مدام

چڑیوں اور چکوروں اور کبوتروں کو دانہ ڈالو، کیونکہ ہما اچانک جال میں آجاتا ہے۔

ثقہ لوگوں سے منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی جانب سے شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی جناب میں ایک ایسی بات پہنچائی گئی کہ جو شیخ شیوخ العالم کی مجلس کے موافق نہ تھی۔ اس کی معذرت میں شیخ الاسلام بہاء الدین نے شیخ شیوخ العالم فریدالدین کی خدمت میں ایک پرچہ لکھا۔ بات یہ تھی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان عشق بازی ہے۔ اس معذرت کے جواب میں شیخ شیوخ العالم نے لکھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان عشق ہے، بازی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ساتواں

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین اوران کی والدہ بزرگوار قدس اللہ سرہما العزیز کی بعض کرامات

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں عرضداشت کی کہ ایک درخواست ہے، اگر حضرت شیخ منظور فرمائیں۔ پوچھا کہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ ایک بال آپ کی مبارک ڈاڑھی سے

جدا ہوگیا ہے۔ اگر حکم ہوتو میں تعویذ کے طور پر رکھوں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا کرلو۔ میں نے اس بال کو بڑے احترام کے ساتھ لیا اور کپڑے میں لپیٹ کراپنے ساتھ شہر لے آیا۔

سلطان المشائخ اس حکایت میں چشم پُر آب ہوگئے اور فرمایا کہ اس ایک بال میں کیسے کیسے اثرات میں نے دیکھے۔ پھر فرمایا کہ جودکھی اور بیمار آتا، مجھ سے تعویذ مانگتا۔ میں یہ بال دے دیتا۔ وہ دکھ جاتا رہتا۔ یہاں تک کہ میرا ایک دوست مرید تھا جس کا تاج الدین مینائی نام تھا۔ اس کا چھوٹا بچہ بیمار ہوا۔ وہ میرے پاس آیا اور یہ تعویذ مانگا، جہاں میں نے رکھا تھا۔ بہت ڈھونڈا مگر نہیں ملا۔ جب اس دوست کا چھوٹا لڑکا اس بیماری میں انتقال کرگیا تو اسی طاق میں کہ جہاں رکھا تھا نظر آیا۔ یعنی چونکہ اس دوست کا بچہ جانے والا تھا، یہ تعویذ غائب ہوگیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ دہلی میں ایک بزرگ تھے ایتمر نام۔ انھوں نے ایک مسجد بنائی اور اس مسجد کی امامت شیخ نجیب متوکل کو دی۔ ان بزرگ نے اپنی لڑکی کا بیاہ رچایا۔ اس کے کار خیر میں ایک لاکھ جیتل خرچ کیے۔ ایک دفعہ بات چیت کے دوران شیخ نجیب الدین نے ان سے کہا کہ پورا مومن وہ ہوتا ہے جس کی دوستی حق اولاد کی دوستی پر غالب آجاتی ہے، اگر اس کا دوگنا کہ جتنا اپنی بچی کے لیے خرچ کیا ہے، اللہ کے راستے میں خرچ کروتو اس وقت تم ایسے ہوگے (وہ) ترک اس بات سے رنجیدہ ہوگئے اور امامت شیخ نجیب الدین سے لے لی۔ شیخ نجیب الدین اجودھن گئے اور شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حال عرض کیا۔ حضرت شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ماننسخ من آیتٍ اوننسھا نات بخیر منھا اومثلھا۔ ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے تاوقتیکہ اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت نہ لے آئیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا اگر ایک ایتمر چلا گیا تو ایک ایتکر آجائے گا۔ اسی زمانے میں ایتکر نامی ایک ملک (نواب) اس علاقے میں آیا۔ اس نے اس خانوادہ کریم کی بڑی خدمت کی۔ اور اس خاندان کی خدمت گاری سے منسوب ہوا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب سلطان ناصرالدین اوچہ اور ملتان کی طرف گیا سارے لشکر نے شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کا رخ کیا۔ اور یہ حالت ہوئی کہ ہجوم سے خلقت پریشان ہوگئی۔ اس وقت شیخ شیوخ العالم کی آستین گلی کی جانب ٹکادی گئی۔ خلقت آتی تھی اور بوسہ دیتی تھی اور چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ پارہ پارہ ہوگئی۔ پھر حضرت مسجد میں تشریف لائے۔ مریدوں سے فرمایا کہ تم میرے اطراف ہوجاؤ تا کہ لوگ حلقے کے اندر نہ آئیں۔ بس دور سے سلام کریں اور واپس چلے جائیں۔ مریدوں نے یہی کیا، تا آنکہ ایک بوڑھا فراش آیا اور مریدوں کے دائرے میں سے گزر کر شیخ کی پیروں میں گر پڑا اور شیخ کے پاؤں پکڑ کر اور کھینچ کر بوسہ دیا۔ بولا شیخ فرید تنگ آگئے۔ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ شیخ شیوخ العالم نے یہ سنا تو ایک نعرہ مارا اور پھر فراش کو نوازا اور بڑی معذرت کی۔

کاتب حروف نے اپنے والد سید محمد مبارک کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی لشکر میں جب سلطان ناصرالدین نہروالہ کے قریب پہنچا اور اس نے چاہا کہ اجودھن میں جائے اور شیخ، شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے۔ سلطان غیاث الدین کو جو اس زمانے میں الغ خاں کہلاتا تھا اور نائب سلطنت تھا۔ سلطان سے کہا کہ لشکر بہت ہے، اور اجودھن کے راستے میں پانی نہیں ہے۔ اگر حکم ہو تو شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں جاؤں اور ہدیہ اور نذر لے جاؤں اور خداوند عالم کی جانب سے معذرت کروں۔ اور سلطان غیاث الدین کو اس زمانے میں جہانگیری اور سلطنت کی تمنا تھی۔ دل میں سوچا کہ

اگر یہ چیز میرے نصیب میں ہے اور تخت سلطنت مجھے ملنا ہے تو اس بارے میں شیخ شیوخ العالم میرے لیے کچھ فرمائیں گے۔ یہ بات سوچ کر اور سلطان کے حکم کے مطابق کچھ نقد روپیہ اور چاروں گاؤں کا فرمان شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لایا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور وہ روپیہ اور چار گاؤں کا فرمان شیخ شیوخ العالم کے سامنے رکھا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ ولی عہد نے کہا کہ یہ روپیہ ہے اور یہ چار گاؤں کا کاغذ خاص آپ کے لیے ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے تبسم کیا اور ارشاد ہوا کہ نقد تو مجھے دو۔ درویشوں کے ساتھ خرچ کرلوں گا۔ اور گاؤں کے کاغذ کو اٹھالو کہ اس کے طلب گار بہت ہیں۔ اس کے بعد الغ خاں کے دل کی بات (جس کا جواب) حضرت شیخ شیوخ العالم سے (چاہتا) تھا، اس کے دل کو بے چین کرنے لگی۔ شیوخ العالم نے فوراً زبان مبارک سے کہا۔

فریدوں فرخ فرشتہ نبود — زعود و زعنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافتاں نیکوی — تو داد و دہش کن فریدوں توئی

خوش نصیب فریدوں فرشتہ نہ تھا۔ اس کا خمیر عود وعنبر سے نہ گندھا تھا۔ اس نے جو خوبی حاصل کی داد و دہش سے حاصل کی۔ تم بھی داد و دہش کرو تو فریدوں ہو۔

جیسے ہی یہ بات ولی عہد نے سنی، پگڑی کی گرہ میں باندھ لی اور زمین چومی اور خوش دل ہوکر اٹھا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں الغ خاں بادشاہ ہوگیا اور مملکت ہندوستان اس کے قبضۂ اختیار میں آگئی۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ شعر

سرے کے سودہ شود برز میں بخدمت تو
زیک قبول تو تاحشر تاجدار شود

آپ کی جناب میں جو سر جھک جائے وہ آپ کی ایک مقبولیت سے حشر تک تاجدار رہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز نے صبح کی نماز پڑھ لی تھی اور مشغول (بحق) تھے۔ اور اس طرح سر زمین پر رکھے ہوئے شغل میں مستغرق بہت رہا کرتے تھے۔ الغرض اس صورت سر زمین پر رکھے ہوئے مشغول تھے اور سردی کی ہوا تھی ایک پوستین لائی گئی اور جسم مبارک کو اڑھادی گئی۔ کوئی خدمت گار اس وقت موجود نہیں تھا، بس اکیلا میں ہی تھا۔ اس دران ایک شخص آیا اور بلند آواز سے سلام کیا۔ اس طرح کہ شیخ شیوخ العالم کے شغل میں حرج ہوا۔ شیخ اسی طرح سر زمین پر رکھے ہوئے تھے اور پوستین ان کے اوپر اوڑھا رکھی تھی۔ بولے کہ یہاں کوئی ہے۔ میں نے عرض کی میں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شخص جو آیا ہے، دبلا پتلا ہے، دراز قد، زرد رنگ، میں نے اس شخص کو دیکھا تو بالکل ایسا ہی تھا۔ جواب میں عرض کیا جی ہاں۔ اس کے بعد فرمایا کمر میں زنجیر ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ عرض کی جی ہاں پھر فرمایا کہ کان میں کچھ پہنے ہوئے ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ایسا ہی تھا۔ عرض کی جی ہاں پہنے ہوئے ہے جیسے جیسے میں اس کو دیکھتا اور جواب دیتا۔ وہ متغیر ہوتا جاتا۔ اس دفعہ جو کہاں کہ ہاں کان میں بالا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس سے کہو چلا جائے اس سے پیشتر کہ فضیحت ہو۔ اب کی بار جو اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنے آپ چلا گیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی شہادت کی انگلی میں سانپ نے کاٹا۔ کچھ علاج نہ کیا اور مشغول بحق ہوگئے۔ غلبہ شغل میں ان کے جسم مبارک سے پسینہ بہنے لگا اور زہر نے اثر نہ کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ہم اجودھن گئے ہوئے تھے اور سرسی کے جنگل میں میرے سانپ نے کاٹا۔ وہ صاحب جن کے ساتھ ہم گئے تھے انھوں نے بندھ باندھ دیا زہر اتر گیا اور ٹھیک ہوگیا۔ ہم اجودھن پہنچے تو ناوقت تھا۔ دروازے بند

کردیے گئے تھے۔ ساتھیوں نے کہا کہ فصیل پھاندتے ہیں۔ ہم گئے اور دیکھا کہ فصیل میں ہر طرف راستے بن گئے۔ القصہ ساتھی اوپر چڑھ گئے اور میں ڈرتا رہا۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اوپر لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ہم سب شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گئے۔ سب کو انھوں نے پوچھا اور مجھ سے کچھ نہ کہا۔ کچھ دیر بعد فرمایا کہ سانپ کا کاٹنا تو خیر! فصیل پھاندنا کہاں آیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ سے روایت کی جاتی ہے کہ سرسی کی حدود میں سانپ کے کاٹنے کے بعد شیخ شیوخ العالم کو نورِ باطن سے معلوم ہوگیا اور شیخ شیوخ العالم نے جلدی کرنے کے لیے کسی کو بھیجا کہ سلطان المشائخ کو سوار کرکے لے آئیں۔ یہی کیا گیا ہے یعنی رتھ میں سوار کرا کے لے آئے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو کوئی بیماری لاحق ہوئی۔ چند قدم چلنا چاہا۔ عصا لیا اور روانہ ہوئے۔ چند قدم چلنے کے بعد عصا ہاتھ میں سے پھینک دیا اور پشیمانی کا اثر ان کی پیشانی مبارک پر نظر آیا۔ پوچھا گیا کیا بات ہوئی کہ خواجہ نے عصا ہاتھ میں سے پھینک دیا۔ فرمایا کہ ہم کو عتاب کیا گیا کہ ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ یوسف ہانسوی پرانے یاروں میں سے تھے۔ ایک دفعہ وہ اُچہ سے آئے۔ شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ کس کس کو دیکھا۔ بولے کہ فلاں شخص اس اس طرح مشغول ہے۔ اور فلاں اس قدر عبادت کرتا ہے۔ شیخ شیوخ العالم کا جی چاہا کہ ان لوگوں کو دیکھیں۔ وضو کرنے کے بہانے سے اٹھے اور بہت دیر میں تشریف لائے۔ مسجد میں اوپر نیچے سب جگہ ڈھونڈا۔ شیخ شیوخ العالم کو نہ پایا۔ بہت دیر کے بعد خواجہ نظر آئے۔ یوسف نے پوچھا کہ حضرت خواجہ کہاں تھے۔ فرمایا کہ اس قدر اچہ والوں کی تعریف کی کہ میرا جی ان کی ملاقات کو چاہا۔ ان سے ملنے کے لیے اچہ میں تھا۔ سب کو دیکھا۔ دکانیں کررکھی ہیں اور بیٹھے کھانا پکار ہے ہیں۔

منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کسی یار نے بیان کیا کہ بہاء الدین خالد کہتے ہیں کہ میں اجودھن میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا۔ جامع مسجد میں محراب کے سامنے بیٹھ گیا۔ خواجہ کی خدمت میں مجھے کسی نے جانے نہیں دیا۔ محراب میں ایک شگاف تھا اور کاغذ کا ایک ٹکڑا اس میں سے گرا۔ جب میں نے اس کاغذ کو کھولا تو اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ خالد کو فرید کی جانب سے سلام۔ یہ بے چارہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا اور یہ بات کہی۔

ایک یار نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ یہ کاغذ کس نے لکھا تھا؟ یا حضرت عزت کی جانب سے صادر ہوا تھا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ ہے۔ ملہم نام۔ یہ نقش دل میں وہ لکھتا ہے اور الہام کہلاتا ہے۔ اس شخص نے کہا شاید کاغذ بھی وہی لکھتا ہے۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس کو ملہم کہتے ہیں۔ تین چیزیں ہیں جو اس کی جانب سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دل میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے۔ دوسرے ہاتف آواز دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ لکھا ہوا کاغذ ظاہر ہوتا ہے۔ اولیاء نقش کو دیکھتے ہیں۔ نقاش کو نہیں دیکھتے۔ انبیاء نقش دیکھتے ہیں اور نقاش کو بھی دیکھتے ہیں۔ جس وقت کہ نقش ظاہر ہوا اگر دل میں نور پیدا ہو تو وہ رحمانی ہے کیونکہ وہ فرشتہ لکھتا ہے۔ اور اگر ظلمت پیدا ہو تو وہ شیطانی ہے کہ شیطان دل میں ڈالتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرشتہ بے چارہ اس ملک میں کیا کام رکھتا ہے۔ اور شیطان کیا کرتا ہے۔ جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، وہ اسی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔

کاتب حروف نے اپنے چچا سید السادات سید حسین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز چاہتے تھے کہ ایک خط شیخ الاسلام بہاء الدین

ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب لکھیں۔ کاغذ اور قلم دست مبارک میں لیا اور کچھ دیر سوچا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین کو کن الفاظ سے خطاب کریں۔ خیال مبارک میں آیا کہ وہ خطاب جو ان کے لیے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے، وہ لکھوں۔ اسی وقت اپنا سر مبارک اونچا کیا کہ آسمان کی طرف دیکھا۔ لوح محفوظ پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ لکھا ہے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا۔ پھر اسی خطاب مکرم کو اس خط میں تحریر فرمایا۔ اولیاء میں سے کسی نے کہا ہے۔ شعر:

قلوب العارفين لها عيون ترى مالا براه الناظرنيا
ماجنحة تطير بغير ريش الى ملكوت رب العالمينا

عارفوں کے دلوں کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ کچھ دیکھتے ہیں، جو عام دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتا۔ پروں کے بغیر بازوں سے پرواز کرتے ہیں۔ رب العالمین کے عالم ملکوت کی طرف۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ محمد نام کے ایک یار تھے جو شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بعض اسرار سے واقف تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز مسجد میں یہ یار شیخ شیوخ العالم کے پیچھے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر کو مدہوش ہوگئے۔ شیخ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال تھا۔ پھر شیخ شیوخ العالم کی زبان پر آیا کہ اس وقت نماز میں مجھے معراج ملی تجھ کو بھی درویشوں کی نعمت میں سے حصہ مل گیا۔

اس بات پر کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ جو حال اور تحیر سلطان المشائخ پر نماز جمعہ کی تحریمہ کے بعد طاری ہوا تھا اور انتقال کے روز تک رہا تھا۔ وہ بھی یہی حال تھا جیسا کہ سلطان المشائخ کے ذکر میں نکتہ مرض اموت کے تحت لکھا گیا ہے۔ معراج کی طرح تھا جو شیخ شیوخ العالم کو نماز جمعہ میں حاصل ہوئی تھی جس کا ذکر حکایت کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں محلوق ہو کر مرید ہونے کے بعد سر منڈا کر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سے دہلی آیا کمبل کا خرقہ پہنے ہوئے جو شیخ شیوخ العالم سے پایا تھا۔ جامع مسجد میں گیا۔ شرف الدین قیامی نے مجھے بلایا میں نے بیعت اور خلعت پانے کا حال انہیں سنایا میرا حال سننے کے بعد شیخ شیوخ العالم کو دو دفعہ ان الفاظ سے جو مناسب نہیں تھے یاد کیا اور مجھ سے برائی کی۔ اگر چہ کہ میں جواب کی طاقت رکھتا تھا مگر برداشت کیا۔ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے۔ شعر

بخدا او بسر و پائے تو کز دوستیت خبراز دشمن واندیشہ دشنام نیست

خدا کی اور آپ کے سر اور قدموں کی قسم کہ آپ کی محبت کے طفیل نہ مجھے دشمن کی خبر ہے اور نہ گالی کا ڈر ہے۔

جب دوبارہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ حال سنایا۔ شیخ شیوخ العالم زار زار روئے اور میرے اس تحمل پر تعریف فرمائی اور اسی غلبہ حال میں زبان مبارک پر کچھ تعریف فرمائی اور اسی غلبہ حال میں زبان مبارک پر کچھ الفاظ آئے کہ جن سے میں یہ سمجھا کہ شیخ شرف الدین ختم ہو گئے۔ جب میں پھر دہلی پہنچا تو شرف الدین قیامی گزر چکا تھا۔

شیخ نصیر الدین محمود سے روایت کی جاتی ہے کہ ایک شخص شیوخ العالم فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں آیا۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کے سامنے کھانا رکھا جائے۔ اس شخص نے کہا کہ کچھ عرصے سے میں نے کھانا چھوڑ رکھا ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ بولا کہ میں ایک دیہات میں رہتا تھا۔ مسلمانوں پر گاؤں کے سرکشوں کی وجہ سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے میرے لڑکے اور دیگر رشتہ دار گرفتار ہوئے۔ میرے پاس ایک عورت تھی کہ میرے دل و جان اس سے متعلق تھے، وہ بھی انہی لوگوں میں گرفتار ہوئی۔ اس کی وجہ سے میرے دل کو چین نہیں ہے۔ میں نے مرنے کی ٹھان لی ہے۔

شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ کھانا کھاؤ! اسی درمیان ایک آدمی منشیوں میں کا آیا۔ مقید اس کو خواجہ کے سامنے لایا گیا۔ شیخ شیوخ العالم نے کہا کہ تجھے رہائی مل جائے گی۔ لیکن اس شخص کو ایک لونڈی (لے) دینا۔ اس نے ہامی بھرلی۔ یہ شخص بولا، میں لونڈی کا کیا کروں گا۔ منشی کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوا۔ منشی نے کہا کہ میری رہائی تجھ کو لونڈی دینے کے ساتھ مشروط ہے۔ کسی کو مقرر کردیا کہ اسے زبردستی تیار کرکے گھوڑے پر بٹھالائیں۔ جب یہ منشی اس حاکم کے پاس پہنچا جس نے قید کرایا تھا تو ملاقات ہوتے ہی اسے رہا کردیا گیا۔ اور ایک لونڈی جو لوٹ مار میں اسے ملی تھی اس کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے دے دو۔ جب لونڈی اس کو دی گئی تو منشی نے یہ لونڈی اس شخص کو دے دی جو باباصاحب کے ہاں سے ساتھ آیا تھا۔ اس شخص نے دیکھا تو اللہ کے حکم سے ہی اس کی اپنی عورت نکلی۔ اس کا دل مطمئن ہوگیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اجودھن کی جامع مسجد میں قاضی کی طرف سے کوئی شخص خطیب مقرر تھا۔ جمعہ کی نماز میں اس نے غلط پڑھا۔ کسی نے شیخ شیوخ العالم کی زبان سے تنبیہ کی کہ نماز دوبارہ پڑھو۔ ساری مخلوق نے نماز دہرائی۔

قاضی عبداللہ جو اجودھن کا قاضی تھا۔ اس نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اس قاضی عبداللہ کو قاضی محمد ابوالفضل کہتے تھے۔ بڑا لڑاکا تھا۔ بولا کہ کچھ لوگ کام سے بھاگے ہوئے جگہ جگہ سے یہاں آگئے ہیں۔ اس کے بعد جب شیخ شیوخ العالم گھر میں تشریف لائے تو ساتھیوں سے کہا کہ کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے اور وہ برداشت کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ بھی جوابی وار کرے تو جائز ہے۔ جیسے ہی یہ بات ان کی زبان مبارک پر آئی۔ قاضی عبداللہ پر فالج گرا۔ منہ ٹیڑھا ہوگیا۔ قاضی عبداللہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں ایک ٹوکرا شکر کا لایا اور ایک بکری لایا اور شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پیروں میں گر پڑا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا عبداللہ اٹھارہ سال کی مدت میں ہر شخص نے تیری کوئی بات مجھ تک پہنچائی۔ اب جو کچھ قرآن مجید کی فال نکلے اسی کے مطابق ہوگا۔ جب قرآن شریف کھولا گیا تو حضرت نوح کا (ان پر، ہمارے نبی پر صلوات وسلام ہو)، قصہ نکلا۔ قال **یا نوح انہ لیس من اھلک ان عملاً غیر صالح**۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اس کا عمل صالح نہیں ہے۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ یہی حکم رہے گا۔ ہرچند قاضی عبداللہ نے کوشش کی مگر بات نہ بنی اور اس کی لائی ہوئی چیزیں پھیردی گئیں۔ قاضی نے گھر پہنچ کر انتقال کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اجودھن میں کوئی شخص شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آیا اور کان میں آہستہ سے کہا کہ دہلی میں ہم اور تم ہم سبق تھے یہاں تک کہ تم شہر میں قاضی اور مفتی ہوجاتے۔ شیخ شیوخ العالم نے یہ بات نور باطن سے دریافت اور معلوم کرلی اور فرمایا، اے بے چارے! اگر پڑھنا لڑنے کے لیے ہے تو مت پڑھو اور خلق کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر عمل کے لیے ہے تو بس اتنا کافی ہے کہ پڑھ لیں اور عمل کریں۔ علم شریعت عمل کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ خلق کو تکلیف پہنچانے کے لیے نہیں۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دہلی سے روانہ ہوا تاکہ اجودھن میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں جاکر تائب ہو۔ دوران سفر ایک گھومتی پھرتی گانے والی کچھ دیر اس کے ساتھ رہی۔ اور اس گانے والی نے بہتیرا چاہا اور اس فکر میں رہی کہ اس شخص سے تعلق پیدا کرے۔ یہ شخص نیت صادق رکھتا تھا۔ اس حرام کار کی طرف ذرا متوجہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کسی منزل میں ایک ہی گاڑی میں سوار ہوئے۔ یہ گانے والی پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ شاید اس حال میں اس شخص کا دل کسی قدر مائل ہوا اور کوئی بات کی یا ہاتھ بڑھایا، اسی

وقت اس شخص نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور اس شخص کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ فلاں بزرگ کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جاتا ہے۔ پھر یہ کیا ہے۔ یہ شخص فوراً متنبہ ہوگیا۔ غرضیکہ جب شیخ شیوخ العالم کی جناب میں پہنچا تو پہلی بات شیخ شیوخ العالم کی اس شخص سے یہی تھی کہ خداتعالیٰ نے تجھے اس روز خوب بچایا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں سے ایک مرید تھے جن کو محمد شاہ غوری کہتے تھے۔ بڑے سچے اور بڑے پکے معتقد مرید تھے۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آئے۔ مضطرب اور حیران۔ ارشاد ہوا کہ کیا حال ہے۔ بولے کہ میرا ایک بھائی ہے اس قدر بیمار کہ بس ایک تار لگا رہ گیا ہے۔ اس وقت کہ میں حضور میں آیا ہوں، کیا تعجب ہے کہ ختم ہو چکا ہو۔ اس وجہ سے میں پریشان اور حواس باختہ ہوں۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ جو حال اس وقت تیرا ہے، میں ساری عمر اسی حال میں رہا ہوں۔ لیکن کسی سے کہتا نہیں۔ پھر فرمایا، جاؤ تمہارا بھائی اچھا ہو جائے گا۔ محمد شاہ جب گھر میں آئے تو دیکھا کہ بھائی بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔!

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ درویش شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خدمت میں پہنچے۔ وہ درویش بڑے بدمزاج اور بڑبولے تھے۔ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خدمت سے اٹھے تو بولے کہ ہم اتنے گھومے پھرے مگر کوئی درویش نہ ملا۔ شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ بیٹھو ہم تمہیں درویش دکھاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور روانہ ہوگئے۔ شیخ نے فرمایا جب جاتے ہی ہو تو چاہیے کہ بیاباں کی راہ نہ جانا۔ انھوں نے شیخ شیوخ العالم کی بات کے خلاف کیا اور راستہ پکڑا۔ شیخ شیوخ العالم نے کسی کو پیچھے دوڑایا کہ دیکھیں کس راستے سے گئے ہیں۔ خبر آئی کہ بیاباں کے راستے گئے ہیں۔

شیخ شیوخ العالم نے جب یہ خبر سنی تو ایسے زار زار روئے جیسے کسی کے ماتم میں روتے ہیں۔ اس کے بعد اطلاع ملی کہ ان پانچوں کو لو لگی۔ چار تو اسی جگہ ہلاک ہوگئے۔ ایک پانی تک پہنچ گیا اور اتنا پانی پی گیا کہ وہاں مرگیا۔

کاتب حروف اسی سلسلے میں عرض کرتا ہے کہ خواجہ احمد سیوستانی شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پرانے مریدوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ شیوخ العالم کے وضو اور غسل کے لیے پانی لایا کرتا تھا ایک روز میری کمر میں درد ہونے لگا۔ پانی لانے کے لیے مجھے طلب کیا گیا تو عرض کیا کہ میری کمر میں درد ہو رہا ہے۔ مشک نہیں لاسکتا۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شفقت کے ساتھ مجھے پاس بلایا اور ارشاد ہوا کہ کمر جھکاؤ۔ میں نے ادب سے کمر جھکائی۔ شیخ شیوخ العالم نے اپنا دست مبارک میری کمر پر پھیرا اور فرمایا کہ جاؤ پانی لاؤ۔ اس وقت سے کہ جوانی کے دن تھے آج تک کہ سو سال ہوا چاہتے ہیں کبھی میری کمر میں درد نہیں ہوا۔ اور پانی کی مشکیں بہت لاتا ہوں۔

یہی خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم نے مجھے اپنے جامہائے مبارک دھونے کا حکم فرمایا۔ میں ان کپڑوں کو پانی کے کنارے لے گیا اور دھونے کے بعد شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لایا۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ ایک دفعہ اور دھو ڈالو۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس حکم میں کچھ مصلحت ہوگی اور مجھ سے کچھ چوک کپڑے دھونے میں ہوگئی ہوگی۔ سوچا تو یاد آیا کہ میں نے پہلے کپڑے دھوئے اور پھر وضو کیا۔ ادب تو یہ تھا کہ پہلے وضو کرتا اور پھر کپڑے دھوتا۔ اس دفعہ پہلے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کپڑے پوری احتیاط کے ساتھ دھوئے اور شیخ شیوخ العالم کی جناب میں لے گیا۔ اس دفعہ بھی شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور دھوؤ۔ اس بار میں میری حیرت اور بڑھ گئی کہ اگر چہ کہ جو

احتیاط کے کپڑے دھونے میں ہونی چاہیے میں نے ملحوظ رکھی تھی تاہم چونکہ شیخ کبیر کا فرمان اسی طرح تھا تو یقیناً اس بار بھی کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ سوچا تو یاد آیا کہ اس دفعہ کپڑے دھونے اور سوکھنے کے لیے ایک درخت کی ٹہنیوں پر پھیلا دیے تھے اور ان ٹہنیوں کے اوپر دوسری ٹہنیاں بھی تھیں اور پرندے ان پر بیٹھے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان پرندوں سے کچھ علیحدہ ہوکر ان کپڑوں پر گرا ہو۔ چنانچہ اب کے جو دھویا تو سوکھنے کے لیے صحرا میں پھیلایا جب اس دفعہ شیخ کی خدمت میں لے گیا تو قبول فرمایا۔ کاتب حروف نے بھی ان خواجہ احمد کو دیکھا ہے اور ان کی قدم بوسی کا شرف اسے ملا ہے۔ اور سلطان تغلق کے عہد میں اجودھن سے غیاث پور تشریف لے آئے تھے اور مدت تک سلطان المشائخ کے پاس رہے تھے۔ بہت بوڑھے تھے۔ عمر سو سال کے قریب تھی مگر قامت مبارک میں ذرا بھی خم پیدا نہ ہوا تھا۔ اور انہی ایام میں کاتب حروف کے والد سید مبارک محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ احمد کو اپنے گھر میں بلایا اور میرا بھائی امیر داؤد چھ مہینے کا تھا۔ وہ کچھ بیمار تھا اور کئی روز سے دودھ نہ پیا تھا جب اس کو ان بزرگ کے سامنے لایا گیا اور اس کی بیماری کی کیفیت بیان کی گئی کہ دودھ نہیں لیتا تو ان بزرگ نے اپنی مبارک انگلی اپنے لعاب دہن میں تر کی اور میرے بھائی امیر داؤد کے ہونٹوں سے ملی۔ فوراً ہونٹ چلانے لگا۔ خواجہ احمد نے دایہ سے کہا کہ دودھ دو! جب دایہ نے دودھ کی جگہ اس کے منہ میں دی تو چوسنے لگا اور جی بھر کے پیا۔

آٹھواں نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی والدہ ماجدہ کی کرامات کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر کی والدہ بہت بزرگ تھیں۔ ایک دفعہ رات کو چور گھر میں آگیا۔ گھر والے سوتے تھے۔ شیخ شیوخ العالم کی والدہ جاگ رہی تھیں اور عبادت میں مشغول تھیں۔ جب چور اندر آیا تو اندھا ہوگیا۔ پکار کر بولا اگر اس گھر میں کوئی مرد ہے تو میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر عورت ہے تو میری ماں بہن ہے۔ جو بھی ہے۔ میں اس کی ہیبت سے اندھا ہوگیا ہوں۔ وہ دعا کرے کہ مجھے پھر دکھائی دینے لگے اور میں توبہ کرتا ہوں۔

شیخ کبیر کی والدہ نے دعا فرمائی اور اس کو دکھائی دینے لگا۔ اور وہ چلا گیا۔ شیخ شیوخ العالم کی والدہ نے یہ واقعہ کسی کے سامنے بیان نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص کو دیکھا کہ دہی کا مٹکا سر پر رکھے آیا ہے اور اس کے گھر والے اس کے ساتھ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ بولا کہ میں آج رات کو چوری کے لیے اس گھر میں آیا تھا۔ ایک بزرگ خاتون یہاں جاگتی تھیں۔ ان کی ہیبت سے میں اندھا ہوگیا اور پھر ان کی دعا سے میں نے آنکھیں پائیں اور میں نے عہد کرلیا کہ اس کے بعد پھر چوری نہ کروں گا۔ اب اپنے گھر والوں کے ساتھ آیا ہوں کہ مسلمان ہوجاؤں۔ الغرض ان ولیہ کی برکت سے سب مسلمان ہوگئے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ شیوخ العالم نے اجودھن میں قیام فرمایا تو شیخ نجیب الدین متوکل کو بھیجا کہ والدہ کو لے آئیں۔ شیخ نجیب الدین متوکل والدہ ماجدہ کو وہاں سے لے کر چلے اور راستے میں ایک درخت کے نیچے لاکر اتارا۔ اس دوران پانی کی ضرورت پڑی۔ شیخ نجیب الدین پانی لینے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو والدہ کو نہ دیکھا اور اس سے حیران و پریشان ہوئے اور دائیں بائیں دوڑے بھاگے اور ڈھونڈا بھالا مگر والدہ کا کوئی نشان نہ پایا۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ کچھ کھانا پکایا جائے اور صدقہ جو دیا جاتا ہے، دیا جائے۔ مدت بعد شیخ نجیب الدین کا ان حدود میں گزر ہوا۔ جب اس درخت کے نیچے پہنچے تو

دل میں خیال آیا کہ اس جگہ کے دائیں بائیں جانا چاہیے شاید کہ والدہ کا کچھ نشان ملے۔ چنانچہ یہی کیا۔ انسانی ہڈیوں میں سے کچھ ہڈیاں ان کو ملیں۔ اپنے آپ سے بولے کہ ہوسکتا ہے کہ ہماری والدہ کی ہڈیاں ہوں، کسی شیر اور درندے نے ہلاک کر دیا ہوگا۔ ان ہڈیوں کو جمع کر کے ایک تھیلی میں ڈالا اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی خدمت میں لائے اور سارا قصہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تھیلی میرے پاس لاؤ۔ جب تھیلی لائی گئی اور الٹی گئی تو ایک ہڈی بھی اس میں سے نہ نکلی۔ سلطان المشائخ اس بات پُرچشم پرآب ہوگئے اور فرمایا کہ یہ چیز عجائب روزگار سے ہے۔

نواں نکتہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس اللہ سرہ العزیز کے مرض اور دارِفنا سے دار بقا کی طرف رحلت کا بیان

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم فرید الدین کو خلہ کی بیماری ہوئی اور اس بیماری میں رحلت فرمائی۔

سلطان المشائخ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ انتقال کے وقت حاضر تھے۔ آنکھ میں آنسو بھرلائے اور فرمایا کہ نہیں شوال کے مہینے میں مجھے دہلی روانہ کر دیا تھا اور ان کا انتقال محرم کی پانچویں کو ہوا۔ رحلت کے وقت مجھے یاد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ فلاں دہلی میں ہے۔ یہ بات بھی فرمائی کہ شیخ قطب الدین کی رحلت کے وقت میں بھی حاضر نہیں تھا۔ ہانسی میں تھا۔

سلطان المشائخ یہ حکایت بیان فرماتے تھے اور روتے تھے۔ اس قدر کہ سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔ فرمایا کہ محرم کی پانچویں شب شیخ شیوخ العالم پر بیماری کا غلبہ ہوا۔ رات کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہوگئے۔ ایک گھڑی گذری۔ پھر ہشیار ہوئے۔ پوچھا کہ رات کی نماز میں نے پڑھ لی۔ عرض کیا گیا کہ جی ہاں۔ بولے کہ ایک دفعہ اور پڑھ لوں کون جانتا ہے کہ کیا ہو۔ دوسری بار نماز ادا کی اور پھر غشی ہوگئی۔ اس دفعہ بے ہوشی زیادہ رہی۔ پھر ہشیار ہوئے اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی، عرض کیا گیا کہ دو دفعہ ادا کی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایک بار اور ادا کرلوں۔ کون جانتا ہے کہ کیا ہو؟ (چنانچہ) تیسری دفعہ بھی ادا کی اور اس کے بعد رحمت حق سے جاملے۔

کاتب حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ جب شیخ شیوخ العالم رحمت حق سے پیوست ہوئے اور مقام حق میں قرار پایا تو انھیں غسل دیا گیا اور ایک چادر مانگی گئی تاکہ اسے شیخ شیوخ العالم کے جنازے پر ڈالیں۔ اس غلام کے والد فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میرے یعنی سید محمد کرمانی کاتب حروف کے دادا جلدی سے گھر میں آئے اور والد کی والدہ سے جو کاتب حروف کی دادی تھیں، ایک چادر مانگی۔ انھوں نے ایک نئی سفید چادر سید محمد کرمانی کو دی اور وہ چادر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جنازے پر ڈالی گئی۔ اور شیخ شیوخ العالم کے سب فرزندوں کی رائے یہ تھی کہ اجودھن کی فصیل سے باہر اس جگہ کہ جہاں شہداء آرام فرما ہیں دفن کیا جائے۔ اسی ارادے سے فصیل کے باہر لائے۔ اسی دوران خواجہ نظام الدین کہ جو شیخ شیوخ العالم کے چہیتے صاحبزادے تھے، پہنچے اور وہ ملازم تھے، سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ پٹیالی میں تھے۔ شیخ شیوخ العالم کو خواب میں دیکھا کہ اپنے پاس بلاتے ہیں۔ خواجہ نظام الدین نے چھٹی لی اور اجودھن کی طرف روانہ ہوگئے۔ جس رات کو شیخ شیوخ العالم کا انتقال ہوا یہ اجودھن پہنچ گئے تھے لیکن فصیل کے

دروازے بند تھے۔ رات کو فصیل سے باہر رہے اور جس رات کو شیخ شیوخ العالم نے رحلت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ نظام الدین آگئے ہیں مگر کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو پھاٹک میں داخل ہونے کے ارادے سے دروازے کے قریب پہنچے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کا جنازہ باہر لایا گیا۔ الغرض اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ کہاں دفن کریں گے۔ بولے کے فصیل سے باہر ان شہیدوں کے قریب شیخ شیوخ العالم جہاں اکثر مشغول بحق رہا کرتے تھے اور جگہ پُر فضا ہے۔

خواجہ نظام الدین نے کہا کہ اگر تم شیخ شیوخ العالم کو فصیل سے باہر دفن کروگے تو تمہارا کوئی خیال نہیں کرے گا، جو بھی شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے لیے آئے گا وہ باہر ہی سے زیارت کرے گا اور چلا جائے گا۔

اس کے بعد جنازے کو پھیرا گیا اور ان شاہزادے کی رائے کے مطابق پھر فصیل کے اندر لائے اور اس جگہ کو جہاں اب دفن ہیں۔ دفن کیا گیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ایک حجرہ مسکینوں کے لیے جو باہر سے پانی اور لکڑی لاتے ہیں اینٹوں کا بنا دوں۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ سات سال کا عرصہ ہوگیا کہ مسعود بندے نے نیت کی ہے کہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھے گا۔

القصہ اس شخص نے اولاد شیخ کو آمادہ کیا کہ حجرہ تعمیر کردیا جائے۔ اور یہ ہوگیا لیکن شیخ شیوخ العالم کے انتقال کے بعد اس حجرے کو توڑا گیا اور روضہ متبرکہ شیخ شیوخ العالم اس جگہ بنا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم کی لحد کے لیے کچی اینٹوں کی ضرورت تھی۔ چونکہ موجود نہ تھیں اس لیے شیخ شیوخ العالم کے گھر سے کہ جو کچھ اینٹوں سے بنا ہوا تھا، اس کے دروازے سے اینٹیں نکالی گئیں تاکہ لحد میں لگائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد میں خوشبو پھیلائے اور ان کے پاک قبرستان کو آرام گاہ بنائے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر 569ھ (پانچ سو انہتر) میں پیدا ہوئے اور حضرت کی وفات چھ سو چونسٹھ میں ہوئی اور حضرت کی عمر پچانوے سال ہوئی واللہ اعلم اور حضرت گنجشکر حضرت خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہا العزیز کی جناب میں پانچ سو چوراسی میں مرید ہوئے۔ اور مرید ہونے کے اسی سال بعد تک عقد حیات میں رہے۔ واجعل خطیرة القدس مثواہ

حضرت سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی عمر شریف کتنے سال تھی۔ ارشاد ہوا کہ پچانوے سال۔ اور انتقال کے وقت یہ الفاظ فرماتے تھے۔ یا حي یا قیوم۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال کیا۔ ان کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزی نے۔ اس کے تین سال بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے۔ ان کے تین سال بعد شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ کیا اچھا زمانہ تھا کہ یہ پانچ بزرگ حیات تھے۔ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین اور شیخ ابوالغیث یمنی و شیخ سیف الدین باخرزی و شیخ سعد الدین حمویہ و شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہم العزیز۔ یہ ضعیف عرض کرتا ہے

شیخ اعظم فریدمات و دیں　　شیخ ابواللیث و شیخ سیف الدین
شیخ سعدی حمویہ شیخ الوقت　　شیخ صاحب نفس بہاء الدین
بو دہر پنج پیر در یک عصر　　ہر یکے بادشاہ دنیا و دیں

☆☆☆

بابا فرید کے اشلوک

جناب محمود نیازی

گرو گرنتھ صاحب میں ''بابا فرید کے اشلوک'' کے نام سے ایک علیحدہ باب ہے جس میں ملتانی زبان کے ۱۱۲ راشلوک ہیں۔ ان اشلوکوں کو حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان اشلوکوں کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ کوئی تو ان کو شیخ ابراہیم فرید[1] ثانیؒ کے بتاتا ہے اور کسی کے نزدیک یہ کسی اور شیخ ابراہیم نامی بزرگ کے ہیں اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان اشلوکوں میں شیخ ابراہیم فرید ثانی اور بابا فریدؒ دونوں کا کلام ملا ہوا ہے۔ چنانچہ مشہور پنجابی مصنف بابا بدھ سنگھ[2] کا بھی خیال ہے کہ گرنتھ صاحب میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور شیخ ابراہیم فرید ثانی کا کلام مخلوط ہے۔ اس غلط فہمی کو پھیلانے والا ایک یوروپی مورخ میکالف[3] ہے جس نے لکھا ہے کہ گرنتھ صاحب میں بابا فریدؒ کی پائیاں اور شیخ ابراہیم کے اشلوک ہیں۔ اسی بنیاد پر ہمارے یہاں کے تذکرہ نگاروں اور مورخین نے بھی شکوک کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر نظامی اپنی انگریزی کتاب[4] میں لکھتے ہیں۔

''ہمیں معاصرین کی ایک شہادت بھی نہ مل سکی کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اتنی بڑی تعداد میں اشلوک چھوڑے ہیں۔ بابا صاحبؒ کے متعلق حضرت نظام الدین اولیاؒ اور ان کے جانشینوں نے تمام حالات تفصیل سے دیے ہیں جن میں ان کی روزانہ زندگی کے معمولات اور ادبی مشاغل کی تفصیل بھی شامل ہے۔ اگر حقیقت میں اتنے بڑے بزرگ کا یہ کام ہوتا تو اس کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پروفیسر صاحب آگے چل کر یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ان اشلوکوں میں تخلص فرید استعمال ہوا ہے لیکن بابا فرید صاحبؒ نے اپنا تخلص مسعود رکھا ہے، فرید نہیں۔''

گرنتھ صاحب میں جو کلام بھی شامل ہے، وہ گرو نانک صاحب کا جمع کیا ہوا ہے اور وہ ان کی بیجک میں بھی شامل تھا۔ لیکن اس کلام کو گورو ارجن دیو صاحب نے ۱۵۸۱ء سے ۱۶۰۶ء تک ترتیب دیا ہے۔ صاحب گلزار فریدی نے گرونا صاحب اور شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کی اجازت سے یہ کلام گرنتھ صاحب میں شامل کیا گیا تھا۔ اجازت کی ضرورت اس لیے تھی کہ حضرت بابا صاحبؒ کے وارث اور جانشین شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ تھے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے عربی وفارسی کے علاوہ مقامی زبانوں میں بھی کوئی کلام چھوڑا تھا یا نہیں اور ایسے کلام میں انھوں نے اپنا تخلص مسعود اختیار کیا یا فرید۔ اس سلسلے میں ہمیں سب سے مستند شہادت حضرت ملک محمد جائسی کی ملتی ہے۔ شرح اکھروتی میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت خواجہ گنج شکرؒ درزبان ہندی و پنجابی بعضے اشعار فرمودند، چنانکہ درمردم مشہوراند۔ اشعار از دوہرہ سورۃ امثال آن نمودہ''۔

حضرت جائسی کے قول سے دو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے مقامی زبانوں میں بھی شعر فرمائے تھے اور وہ عام طور پر لوگوں میں مشہور تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اشعار دوحوں کی قسم کے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے جو کچھ علماء اور خواص کے لیے ارشاد فرمایا وہ تو تاریخوں اور تذکروں میں محفوظ ہو گیا لیکن

آپ کا کلام جو مقامی زبانوں میں عوام کے لیے تھا وہ عوام کے سینوں میں ہی محفوظ رہا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کو تمام اشلوک بیک وقت نہ مل سکے ہوں یا انھوں نے ٹھیٹھ مقامی زبان ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیے ہوں۔

حضرت بابا صاحبؒ نے کافی عرصہ تک ملتان میں قیام فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں تکمیل علوم ظاہر کے لیے ملتان کے قدیم ترین مدرسہ منہاج الدین میں داخل ہوئے اور صاحب سیر العارفین کے قول کے مطابق جب تک تعلیم پوری نہ ہوئی آپ کا قیام ملتان میں ہی رہا۔ ان اشلوکوں کی زبان بھی ملتانی ہے، اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشلوک آپ نے زمانۂ قیام ملتان میں ہی تصنیف فرمائے تھے جو وہاں کے لوگوں تک ہی محدود رہے اور جب چار سو برس کے گرنتھ صاحب کی تالیف ہوئی تو ان اشلوکوں کو ایک لڑی میں پرو کر شامل گرنتھ کر لیا گیا۔ اس زمانے کے صوفیائے کرام کی تعلیم وتلقین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ عوام تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے عوامی زبان کو ہی پسند کرتے تھے۔ ان اشلوکوں کے علاوہ بھی حضرت بابا صاحبؒ کا کلام ملتانی زبان میں دستیاب ہے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

ٹوپی لیندی باوری دیندی کہری نج
چوہا کڈہ نمانوی پچھی بندھتی چھج
منڈا منڈ منڈائیاں سر مونڈیں کیا ہوئے
کیتنن بھیڈاں میںیاں سرگ نہ لدھی کوئی

مقامی زبانوں میں آپ نے جو بھی اشعار فرمائے، ان میں تخلص فرید ہی ملتا ہے۔ چنانچہ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے ''شیخ فرید کا جھولنا'' کے عنوان سے جو نظم نقل کی ہے، اس میں فرید تخلص ہے۔ اس نظم کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں[۵]۔

چلی یاد کی کرتا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں
اٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں
پاک رکھ تو دل کو غیر سٹی آج سائیں فرید کا آدتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں، لازوال دولت کوں پادتا ہے

نظامیہ سلسلہ اور خصوصاً فریدیوں میں متعدد اعمال مقامی زبانوں میں بابا صاحبؒ سے منسوب ہیں اور عام طور پر رائج ہیں۔ مثلاً ''بابا فرید کی دستک'' کے نام سے جو عمل سیکڑوں برس سے چلا آرہا ہے، اس میں بھی تخلص فرید ہی استعمال ہوا ہے، مسعود نہیں ملاحظہ ہو۔

فریدا کاری کامری اور کاری نس
آپ ہی مرجائیں گے چور باگا لیس
فریدا چلے بن کو قطب دیو بہاؤ
سانپ چور باگ بھیڑیا چاروں ڈاڑ بندھاؤ
محمدؐ چلے وساوری اول پانچا بند
سانپ چور باگ بھیڑیا چاروں رستے بند

شیخ ابراہیم کا لقب فرید ثانی تھا نہ کہ نام، اس لیے کہ ان کا کلام جہاں بھی نقل کیا جائے اس کو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ شیخ فرید کا کلام یا بابا فرید کی پائیاں ہیں۔ شیخ ابراہیمؒ سے یہ توقع ہرگز نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے پیران پیر اور مورث اعلیٰ کے اسم گرامی کو اپنے تخلص کے طور پر استعمال کریں اور نہ انھوں نے ایسا کیا ہوگا۔

حضرت بابا صاحبؒ کی کاٹھ کی روٹی مشہور ہے۔ جس کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اپنے مسلسل روزوں کا افطار اپنے لکڑی کے پیالے کو گھس کر کرتے تھے جس سے اس پیالے کے تمام کنارے ختم ہوگئے تھے اور اس نے روٹی کی مانند شکل اختیار کر لی تھی۔ مشہور ہے کہ کسی درگاہ میں آج تک یہ روٹی موجود ہے۔ اب ایک اشلوک دیکھیے جس میں روٹی کی تلمیح واضح طور پر موجود ہے۔ کیا اس شعر کو شیخ ابراہیمؒ سے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

فریدا روٹی کاٹھ دی، لاون میری بھکھہ
جھناں کھاویا چونپڑیاں، سوے سہنگے دکھہ

حضرت بابا صاحبؒ کا لقب ''شکر گنج'' ہے۔ صاحب سیر الاولیاء نے اس لقب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ متواتر روزے رکھتے اور سنگریزوں سے روزہ افطار کرتے کیونکہ کوئی چیز روزے کے افطار کے لیے میسر ہی نہ ہوتی تھی۔ دہن مبارک میں وہ سنگریزے پہنچ کر شکر میں تبدیل ہوجاتے تھے۔ اس کے علاوہ شکر کے سوداگر والا قصہ بھی معروف ہے جس کو بیرم خاں نے بھی نظم کیا ہے۔

کان نمک جہان شکر شیخ بحرو بر
آن کزشکر نمک کندواز نمک شکر

ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کو بچپن سے ہی شکر اور مٹھاس کا شوق تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ ترغیب نماز کے لیے آپ سے فرماتیں ''جو بچے صبح کی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو شکر دیتا ہے۔'' اپنی بات کو نبھانے کے لیے وہ رات کے وقت روزانہ کاغذ کی پڑیا میں شکر رکھ کر مصلے کے نیچے رکھ دیتی تھیں اور یہ پڑیا صبح کو نماز کے بعد بابا صاحبؒ کو مل جاتی تھی۔ جب حضرت عمر کی عمر دس بارہ برس کی ہوگئی اور نماز کی ترغیب کی ضرورت باقی نہ رہی تو والدہ محترمہ نے مصلّے کے نیچے شکر رکھنا بند کردی تھی، لیکن اس کے بعد بھی حضرتؒ کو غیب سے روزانہ شکر ملتی رہی۔ حضرت بابا صاحب کو شیرینی کا شوق اس درجہ تھا کہ آپ کی فاتحہ مونگ کی میٹھی کھچڑی یا حلوے پر ہوتی ہے۔ اب ایک اشلوک ملاحظہ ہو جس سکر کھنڈ (شکر گنج) کی تلمیح واضح طور پر موجود ہے۔

فریدا سکر کھنڈ نوات گڑ ماکھیوما جھادودھ
سبھے وستو، مٹھیاں، رب نہ پجن تدھ

اس قسم کے متعدد اشلوک موجود ہیں جن میں شکر، گڑ، مصری اور دوسری میٹھی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشلوک حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے علاوہ کسی اور کے نہیں ہوسکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کو حضرت شیخ سلیم چشتی کا مرشد طریقت بتایا گیا ہے۔ وہ دس واسطوں سے حضرت بابا صاحب کی اولاد میں اور جانشین تھے یہ دس واسطے اس طرح تھے۔ (۱) حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، (۲) دیوان بدرالدین سلیمانؒ، (۳) دیوان علاء الدین موج دریا، (۴) دیوان معز الدین، (۵) پیر فضل الدینؒ، (۶) خواجہ منور شاہؒ، (۷) دیوان بہاء الدین ہارونیؒ، (۸) پیر شیخ احمد شاہؒ، (۹) پیر عطاء اللہؒ، (۱۰) خواجہ شیخ محمد اور شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ۔ شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کی وفات ۱۵۵۴ء میں ہوئی تھی۔ کتابوں میں ان کے متعدد لقب لکھے ہیں جیسے فرید ثانی، ثالث فرید، شیخ ابراہیم کلاں، براہم اور بل راجہ وغیرہ۔

۲۔ ان کی دو کتابیں معروف ہیں ''بم بہیا بول'' اور ''ہنس چوگ۔''

۳۔ Sikh Religion by Max Authur Macaulf 6 Volumes. 1909 A.D

۴۔ The Life & Times of Farid Uddin Ganje Shakar by Prof. K.A Nizami, Published by Muslim University Press Aligarh 1955 ADP.P121.

۵۔ اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصّہ ہے۔ از بابا مولوی عبدالحق ص ۱۲۱۔

۶۔ حضرت بابا صاحبؒ اور ان اشلوکوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے درج ذیل کتابوں کو پڑھنا چاہیے: (۱) خزینۃ الاصفیاء (۲) جواہر فریدی (۳) گلزار فریدی (۴) سیر الاولیاء (۵) نصیحت نامہ از بابا فرید مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ ۳۷۴ (۶) بالا جنم ساکھی۔

●●●